سات مہلکات

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ)) قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: ((اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ)) [متفق علیه]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا اور اس جان کا مارنا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور سود کا کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور لڑائی کے دن پیٹھ پھیر دینا اور پاک دامن ایمان والی بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔''

از: حافظ احمد شاکر

موت العالِم موت العالَم

استاذ گرامی مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی رحمہ اللہ کا انتقال

مؤرخہ ۳ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۹ جنوری ۲۰۱۰ء بروز منگل بعد نماز مغرب استاذ العلماء مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون ۔اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وارفع درجته فی العلیین ۔ وقه فتنة القبر وعذاب النار وادخله الجنة الفردوس ۔ آمین ثم آمین

....

حافظ صاحب رحمہ اللہ ۱۹۲۷ کے آگے پیچھے گوہڑ چک نمبر ۸ (پتوکی) میں پیدا ہوئے۔ان کے والد گرامی کا نام میاں چراغ دین تھا جو ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔حافظ صاحب نے اپنی تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کے پرائمری سکول سے کیا پھر اسی گاؤں کے پڑوس حسین خانوالہ سے مڈل کرنے کے بعد ست گھرہ کے قریب چک مدوکے میں سید جماعت علی شاہ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ کر حفظ قرآن مکمل کیا اور پہلا محراب اپنے محترم المقام استاذ رحمہ اللہ کی نگرانی میں وہیں سنایا۔

واپس گاؤں آنے کے بعد ان کے والد انہیں مرکز الاسلام لکھوکے (ضلع فیروزپور) میں دینی تعلیم کے لیے چھوڑ آئے جہاں اس وقت استاذ پنجاب مولانا عطاءاللہ لکھوی مولانا محمد حسین لکھوی رحمہما اللہ جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔گلستان تک فارسی تعلیم مولانا معین الدین لکھوی حفظہ اللہ سے حاصل کی۔اسی اثنا میں قیام پاکستان ہوگیا جس کے بعد یہ ڈھلیانہ (چک نمبر 4-G-D ضلع (اس وقت کے) منٹگمری میں تعلیم شروع کردی۔پھر کچھ ہی عرصہ بعد یہ چک نمبر ۸ حسین خانوالہ میں شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد اسحاق رحمہ اللہ سے کسب فیض کرنے لگے تا آنکہ مخدومنا مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ حسین خانوالہ تشریف لے گئے اور حافظ محمد اسحاق رحمہ اللہ کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے منصب شیخ الحدیث پر فائز کرنے کے لیے لاہور لے آئے۔

پھر حافظ عبدالرشید صاحب بھی کسب فیض کے لیے لاہور مدرسہ تقویۃ الاسلام میں تشریف لے آئے اور یہیں سے سند فراغت حاصل کی۔حافظ صاحب کی ذہانت،صلاحیت اور دلچسپی دیکھ کر حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی ان کو اور ان کے ہم نام استاذ گرامی مولانا عبدالرشید صاحب مجاہد آبادی کو جامعہ اشرفیہ میں معقولات کی تعلیم کے لیے چھوڑ آئے جہاں ان دونوں ہم سبق اور ہم نام ساتھیوں نے معقولات کی منتہی کتابیں پڑھیں۔جامعہ سلفیہ کے قیام کے بعد جب عارضی طور پر جامعہ سلفیہ کے درجہ تکمیل کی جماعت کا دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں اجراء کیا گیا اور اس میں داخلہ کے لیے امتحان ضروری قرار دیا گیا تو حافظ صاحب اس امتحان میں کامیاب ہوکر جامعہ سلفیہ کے درجہ تکمیل کی دس رکنی جماعت کا اجراء کیا گیا میں شامل ہوکر اس کے ساتھ فارغ ہوئے۔یہاں سے فراغت کے بعد مولانا غزنوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم کی مسند تدریس پر ان کو بٹھا دیا اور حافظ صاحب نے پڑھانا شروع کردیا۔

[باقی صفحہ نمبر ۳۵ پر]

فہرست

''امدادِ'' باہمی

اداریہ ——— حافظ احمد شاکر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں عدل وانصاف کا بڑا واضح حکم فرمایا اوراس کو تقویٰ، جس کو اسلام نے مقصود ومومن قرار دیا ہے، سے قریب تر قرار دیا ہے۔فرمایا کہ انصاف کرو چاہے تم......خود......اس کی زد میں آ جاؤ یا تمہارا قریبی، لیکن انصاف ہر صورت بالاتر رہے۔ایسے ہی جھوٹی گواہی کی بھی سخت وعید فرمائی۔اسی طرح بددیانتی بھی جو ایک انسانی، اخلاقی اور دینی جرم ہے۔اس کے بارے میں بھی سورۂ آلِ عمران میں فرمایا کہ خیانت نبی کی شایانِ شان نہیں، جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں خیانت سمیت پیش ہوگا۔اگر انصاف نہ ہوتو پھر ظلم ہوتا ہے اور آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ پہلی امتیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان کے ہاں بڑوں کے لیے قانون کی تعبیر الگ تھی اور عام انسانوں کے لیے الگ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول تو مشہور ہے کہ کفر کی حکومت چل سکتی ہے لیکن ظلم کی نہیں۔نوکِ قلم پر یہ آیات، احادیث اور اقوال کا ذکر اس لیے آ گیا کہ عدالتِ عظمیٰ کے ۱۶ دسمبر کے فیصلے کے بعد وطنِ عزیز میں آج کل این۔آر۔او کی تنسیخ کے بعد اِک مہیب سی ہلچل مچی ہوئی ہے۔

سیاست وحکم رانی کے سربستہ رازوں سے باخبر تقریباً ہر فرد کے ذہن میں حکم رانی وبدعنوانی لازم وملزوم سے ہو چکے ہیں، بدعنوانی سے محفوظ اور پاک دامن حکم ران شاید ایک ہاتھ کی انگلیوں کے برابر بھی نہ ہوں۔دیانت وامانت، اسلامی نظام، نظامِ مصطفیٰ، اقامتِ دین، قرآن وسنت کا نفاذ اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے نعرے بھی سب لگاتے ہیں۔اقتدار سے پہلے ان کے وعدے بھی کرتے ہیں لیکن اقتدار ملنے کے بعد نہ ان کو یہ نعرے یاد رہتے ہیں، نہ وعدے اور نہ ہی ووٹر۔ان نعروں کو اگر عمل کے زاویے سے دیکھا جائے تو کم وبیش پاکستان کی ہر سیاسی ودینی جماعت کے قائد کی ذاتی بودوباش، مفادات کے جھرنے، قانون کی موشگافیاں اور اگر مگر کا طریق دیکھا جائے تو طبیعت کسی بھی قائد، جماعت اور فرد سے اس قسم کی اچھی امید کرنے اور رکھنے سے ابا کرتی ہے۔لفظ بدعنوانی بہ ظاہر تو مالی بے ضابطگیوں کے لیے استعمال ہوتا اور بولا جاتا ہے لیکن اس کے معانی کو تھوڑا سا پھیلایا جائے تو اس میں ذخیرہ اندوزی، کمیشن اور قرضہ خوری کی بدعنوانی، اختیارات کی بدعنوانی، علم دین......قرآن وحدیث کے منافی تشریح......کی بدعنوانی، دنیاوی علم خصوصاً علم حساب......اکاؤنٹس......کی بدعنوانی، اوقات کار کی بدعنوانی، تخمینوں، منصوبوں کی بدعنوانی کی وجہ سے وطن کی تباہی، ترقی کے انجماد اور پیدوار کی کمی جیسے امور پر بدعنوانی آ کاس بیل کی طرح چمٹی ہوئی شجرِ ثمر آور...... پاکستان......کو ٹنڈ منڈ کر رہی ہے۔چاہے کوئی کتنا بھی انکار کرے لیکن حقیقت یہی ہے، جس کے شواہد بہ آسانی اور بہ کثرت تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

ہمارے ہاں سیاست ایک کاروبار بن چکا ہے۔اس پر کوئی سیاست دان جتنی سرمایہ کاری کرتا ہے وہ اس کو نفع سمیت واپس لانے کی تگ ودو کرتا رہتا ہے۔عوام کے ساتھ ان کا رویہ چغلی کھاتا ہے کہ وطن اور ادارے سب جائیں بھاڑ میں لیکن سیاست دانوں کا بیلنس پورا رہنا چاہیے۔سیاسی جماعت یا سیاست دان بدعنوانی کی ابتدا انتخابی اخراجات سے کر دیتا ہے۔اخراجات وہ اگر اپنی جیب سے بھی کرے تو وہ نام نہاد انتخابی قواعد وضوابط کی بنا پر اسے ہدیہ تحفہ اور عطیہ ظاہر کر کے......اپنا حق جانتے ہوئے...... بدعنوانی کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے۔جسے حسابی بدعنوانی کہا جاسکتا ہے۔اب تک بدعنوانی پر قابو کیوں نہیں پایا جاسکا؟ ناصر کاظمی کی یہ رباعی پڑھ لیں واضح رہے کہ اس میں لفظ حدیث عرفی نہیں لغوی معنی میں ہے۔

حدیث ہے کہ گناہ گار نہ ہوں گناہ گار پہ پتھر اٹھانے والے
اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دیکھیں ہماری آنکھ کا کانٹا نکالنے والے

اس حمام میں چوں کہ اکثر حکم ران ننگے ہوتے ہیں اس لیے امداد باہمی کے طور پر کبھی کسی سیاست دان نے دوسرے کو ہاتھ ڈالنے کی غلطی نہیں کی کہ دن پھرتے دیر نہیں لگتی۔

بدعنوانی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے سے ۱۶ دسمبر ۲۰۰۹ء کو عدالت عظمیٰ سے روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی اللہ کرے کہ یہ جھلملاتی کرن وطن عزیز میں مینارۂ نور بن سکے۔ ۱۶ دسمبر سے اب تک این۔ آر۔ او زدہ تمام متاثرین کپکپانے اور تپتپانے لگے ہیں۔ قانونی موشگافیاں جاری ہیں ہر متاثر دور کی کوڑی لا رہا ہے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ

اولاً قوم نے اجتماعی طور پر اس فیصلے کو اطمینان بخش قرار دیا ہے۔

ثانیاً عدالت نے بہت دانائی، سلیقے اور حکمت سے فیصلے کا اعلان کیا، اس کی مرحلہ وار تنفیذ کا لائحہ عمل طے کیا اور ان سب امور میں قانون کو بالا دست رکھا۔ اپنے فیصلے کو کسی بھی طرح کے جذبات، رجحانات سے آلودہ نہ کیا اور کسی اتھل پتھل کی بجائے اطمینان سکون کو مقدم بھی رکھا اور کسی بھی درجہ میں عدالتی وقار کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ اس کے بعد عدالت عظمیٰ نے جب فراڈ کرنے والوں پر ہاتھ ڈالا اور پنجاب بینک کیس سے وصولیاں شروع کیں اور پھر نادہندگان کو نوٹس بھی بھجوائے اور قرضہ خوروں اور قرضہ معاف کرانے والوں کی بیرونِ ملک جائداد کی تفصیلات طلب بھی کر لیں تو اب این۔ آر۔ او یافتہ افراد کے ساتھ ساتھ دیگر بدعنوان افراد باہم متعاون و منظّم ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بحمد اللہ عدالت عظمیٰ کے معزز اراکین مجرمین کو قانون کے دائرے میں لانے، ان سے وصولیاں کرنے پر اب تک متفق اور ہم آہنگ ہیں اور قوم سے استقامت کی دعاؤں کے طلب گار بھی ہیں۔

عدالت عظمیٰ کا یہ تابناک پہلو بھی سامنے آیا کہ عدالت اب تک قانون کو بالا دست رکھے ہوئے ہے، کوئی فرد یا ادارے کو اس نے ہدف بنایا اور نہ ہی کسی کو قانون سے بالا سمجھا اور رکھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ وطن عزیز اور اہل وطن پر رحم فرماتے ہوئے اس کے مثبت نتائج سامنے لائے تو پھر حکومت اور حکمرانوں کے بے تحاشا اور تعیش سے بھرپور بلاضرورت اخراجات پر بھی عدالت عظمیٰ توجہ منعطف کرے تو ان شاء اللہ پھر کسی آئی ایم ایف یا اقوام متحدہ کے تعاون یا قرض کی ضرورت نہ رہے گی۔ کیوں کہ ان امریکی اداروں کا یہی وہ زہر ہے جو وطن عزیز کے لیے ناسور بنا ہوا ہے۔ پنجاب بینک کی وصولیوں کی طرح انصاف کے ساتھ اگر باقی وصولیاں بھی ہو جائیں اور حکومتی ضروریات کی غیر ملکی خریداری کے کمیشن اور قومیانے کی پالیسی کے گھپلوں سے بھی اگر وصولیاں ہو جائیں تو ان شاء اللہ معاشی استحکام کی منزل قریب تر ہو جائے گی۔

....

۱۶ دسمبر کے عدالتی فیصلے میں غالباً سرکاری افسران کو یوٹیلیٹی سٹور اور سرکاری واجبات ......بجلی، پانی، گیس، فون اور پٹرول ......کی علی الاطلاق سہولت کی بجائے ان مدوں میں الاؤنس دینے کا اعلان بھی تھا اور حکم رانوں کے غیر ملکی دوروں کو محدود کرنے کا اعلان بھی ہوا تھا، نہ جانے ان فیصلوں پر عمل درآمد شروع ہوا یا نہیں اگر ان احکام پر فوری عمل میں قانونی اور عملی پیچیدگیاں ہوں تو عدالت عظمیٰ بجلی اور گیس کی قیمتوں کی بڑھوتی روکنے کا کوئی طریق اختیار کرے کہ عوام ان اخراجات میں پس کر رہ گئے ہیں۔ اور فوری طور پر اسمبلی ممبران کو ترقیاتی فنڈ دینے کی بجائے ان شعبوں میں حکومت عوام کا بوجھ ہلکا کرے۔ ایسے ہی صوبائی حکومتیں کم از کم آٹا، چینی اور گھی میں سب سڈی......زر تلافی...... دینے کا قانون پاس کریں۔ حکومت اگر اہل کاروں سے صحیح اعداد وشمار حاصل کر کے اہل ثروت سے رابطہ کرے تو اہل پاکستان کے دل اور حوصلے بہت بڑے ہیں وہ ان شاء اللہ حکومت سے ضرور تعاون کریں گے لیکن یہ فوائد عوام تک پہنچانے کی ذمہ داری صوبائی حکومتوں کی ہوگی۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

درسِ قرآن

سورة البقرة ❶

...... اردو ترجمہ ......

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ (م:۱۲۳۰ھ)

...... حواشی ......

① ......احادیث التفاسیر (حضرت مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ۔م:۱۳۳۰ھ)

② ......احسن الفوائد (مولانا ڈپٹی سید احمد حسن صاحب دہلوی رحمہ اللہ۔م:۱۳۳۸ھ)

سُوْرَةُ البقرة مَدَنِيَّة ❶ (۱): وهی مائتان وست ثمانون اٰیة واربعون رکوعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

﴿ الٓمّٓ (۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲) الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳) وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۴) اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۶) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۷) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (۸) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (۹) فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (۱۰) ﴾

''اس کتاب میں کچھ شک (۲) نہیں راہ بتاتی ہے (۳) ڈر والوں کو جو یقین کرتے ہیں بن دیکھے (۴) اور درست کرتے ہیں نماز کو اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ اُترا تجھ پر اور جو کچھ اُترا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں۔ اُنھوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہنچے۔ وہ جو کافر منکر ہوئے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ نہ مانیں گے۔ (۵) ❷ منکر کردی اللہ نے ان کے دل پر اور ان کے کان پر اور ان کی آنکھوں پر ہے پردہ اور ان کو بڑی مار ہے۔ (۶) ❸ اور ایک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم یقین لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور (حالاں کہ) ان کو یقین نہیں۔ دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور کسی کو دغا نہیں دیتے مگر (اپنے) آپ کو اور نہیں بوجھتے۔ (۷) ❹ اُن کے دل میں آزار ہے پھر زیادہ دیا اللہ نے ان کو آزار اور ان کو دکھ کی مار ہے اس پر کہ جھوٹ کہتے تھے۔'' ❺

احسن الفوائد

❶: یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی مگر ایک آیت۔ وہ باتفاق حجۃ الوداع کے دن منیٰ میں اتری۔ اس سورت کی پہلی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب مالک بن صیف یہودی ہے۔ مومنوں کے دل میں شک ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کتاب وہ کتاب نہیں ہے، جس کی خبر اگلی کتابوں میں دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس شک کو رفع کر کے مومنوں کی مدح اور کافروں کی مذمت میں یہ آیتیں بھیجیں۔ سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کے بہ کثرت فضائل آئے ہیں مختصر یہ ہے کہ

یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے پر قیامت کے دن سایہ کریں گی اور اُس کی طرف سے خدا تعالیٰ سے جھگڑیں گی۔ جناب رسولِ خدا ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ سورۂ بقرہ پڑھا کرو؛ کیوں کہ اس کا سیکھنا اور پڑھنا موجب برکت اور چھوڑنا باعث حسرت ہے۔

یعنی جب قیامت میں اس کے پڑھنے والوں کو بلند درجے عنایت ہوں گے تو نہ پڑھنے والا حسرت وافسوس سے کہے گا کہ میں نے اسے کیوں نہ پڑھا تاکہ اس شخص کی طرح ثواب سے محظوظ ہوتا، اور یہ سورت جادوگروں کو یاد نہیں رہ سکتی۔''

جس قدر احکامِ الٰہی اس سورت میں مندرج ہیں اتنے کسی اور سورت میں نہیں ہیں۔ اس سورۃ کو سورۂ بقرہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں بقرہ (گائے) کا ذکر ہے۔

احادیث التفاسیر

(ف۱): عن ابی امامة الباهلی قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((اقرء وا القرآن فإنه يأتي يوم القيٰمة شفيعا لأصحابه۔ اقرؤوا الزهر اوين: البقرة وسورة العمران فإنهما يأتيان يوم القيٰمة كأنهما غمامتان أو كأنهما غيابتان أو كأنهما فرقان من طير صوافٍ من طير صوافٍ تحاجان عن أصحابهما۔ اقرؤوا سورة البقرة فإن أخذها بركة وتركها حسرة ولا يستطيعها البطلة)) قال معاوية: البطلة السحرة۔

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن پڑھا کرو یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے اور عمل کرنے والوں کی سفارش کرے گا۔ نیز دو ہدایت ونور والی سورتیں یعنی بقرہ وآل عمران (بھی) پڑھا کرو۔ تحقیق یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کے سر پر قیامت کے دن بادلوں یا پرندوں کی قطاروں کی طرح سایہ کرتی ہوئی چلیں گی اور اس کی بخشش کے واسطے جھگڑیں گی۔

ان سورتوں کا پڑھنا اور یاد رکھنا برکت ہے اور ان سے محروم رہنے والوں کو قیامت کے دن بڑی حسرت ہوگی۔ یہ سورتیں جادوگروں کو یاد نہیں ہوسکتیں۔

چناں چہ ان سورتوں کا یاد ہونا ایمان کی علامت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان یعنی آسیب کا خلل نہ ہوگا۔''

اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے صاحب اور اہل یعنی قرآن والے اور اللہ والے وہی ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے اور اس حدیث کے ایک طریق سند میں یہ لفظ بھی موجود ہیں:

((يوتى بالقرآن وأهله الذين كانوا يعملون به))

یعنی ''قیامت کے دن قرآنِ مجید پیش ہوگا اور قرآن والے یعنی وہ جو اس پر عمل کرتے تھے۔

پڑھنے سے بھی وہ پڑھنا مراد ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے یعنی ہر آیت پر وقفہ کرے اور اس کے معنی اور مطلب پر غور کرتا جائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كان رسول الله ﷺ يقطع قراء ته۔ يقرأ: ﴿ الحمد لله رب العالمين ﴾ ثم يقف ﴿ الرحمن الرحيم ﴾ ثم يقف۔ [ترمذی: ج۲،ص۱۳]

یعنی ''آنحضرت ﷺ آیت آیت کو علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً: ﴿ الحمد لله ربّ العالمين ﴾ پڑھ کر ٹھہر جاتے پھر ﴿ الرحمٰن الرحيم ﴾ پڑھ کر ٹھہر جاتے۔''

ایک روایت میں ہے:

فإذا هی تنعت قراء ة مفسرة حرفا حرفا۔

[ترمذی: ج۲،ص۱۳]

یعنی آنحضرت ﷺ کی قرآت کا انداز (یہ تھا کہ) آیتوں کو ایسا جدا جدا اور تامل سے پڑھتے تھے کہ حرف حرف صاف اور جدا جدا معلوم ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

((لم يفقه من قرأ القران فی أقل من ثلاث))

[ترمذی: ج۲،ص۱۳]

یعنی ''جو شخص تین دن سے کم میں قرآنِ شریف کو ختم کرے گا وہ

سمجھنے کا نہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ جو شخص زیادہ پڑھنا چاہے گا وہ جلدی کرے گا اور جلدی کے سبب نہ وہ خود سمجھ سکتا ہے نہ سننے والا سمجھ سکتا ہے۔ پس جب کہ اُس کی قراءۃ اللہ اور رسول کے خلاف ہوئی تو ایسا ہے گویا اس نے پڑھا ہی نہیں۔ اس مسئلے کا بہت خیال کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ہزاروں آدمی خصوصاً حافظ لوگ علی الخصوص تراویح کی نماز میں بہت جلدی پڑھتے ہیں، اُن کے مقتدی اور وہ خود اس بات کو تعریف کے قابل سمجھتے ہیں۔ اس حرکت سے سب کو ڈرنا چاہیے، صراحتاً شریعت کے خلاف کام کرنا پھر اس سے خوش ہونا بڑے اندیشے اور خوف کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو شریعت کی تابع داری کی توفیق دے، آمین۔

(ف۲): ریب کے معنی شک کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب اپنی روشن دلیلوں اور صاف اور کھلے ہوئے بیان کے سبب اس امر کی گنجائش نہیں رکھتی کہ اس کے حق ہونے میں شک وشبہ کو راہ ملے۔ یوں عناد اور دھاندلی سے کوئی جو چاہے سو کہے لیکن غور وانصاف کی نظر (سے) دیکھنے اور سوچنے والا اس میں شک وشبہ نہیں کر سکتا۔

(ف۳): ہدایت کے معنی ہیں راہ دکھانا، توفیق دینا، مطلب کھولنا، الہام کرنا، راستہ بتانا، نرمی کے ساتھ جو مطلب تک پہنچا دے۔ اگرچہ یہ کتاب فی نفسہٖ ہدایت عام ہے لیکن چوں کہ اس سے فائدہ متقیوں کو پہنچتا ہے اس واسطے یوں فرمایا کہ ''ہدایت متقیوں کے واسطے (ہے)۔''

(ف۴): غیب وہ ہے جو ظاہر نہ ہو۔ اور یہاں وہ مراد ہے جس کا دیکھنا، سننا دنیا میں نہیں ہوتا۔ جیسے جنت، دوزخ، عذاب، ثواب، فرشتے وغیرہ۔

احسن الفوائد

❷: یہ آیت عتبہ وشیبہ وابی جہل وولید بن مغیرہ وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی اُن کی موت اللہ تعالیٰ کے اپنے قدیم علم کے مطابق کفر پر ہونی تھی۔

احادیث التفاسیر

کفر کی اقسام:

(ف۵): کفر کی چار اَقسام ہیں: ایک کفر انکار یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کو پہچانے نہ اُس کا اقرار کرے بلکہ انکار کرے۔ دوسرا کفر جحود یعنی اللہ تعالیٰ کو دل میں جانتا ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا۔ تیسرا کفر عناد یعنی دل میں جانے اور زبان سے اقرار کرے مگر حکم نہ مانے۔ چوتھا کفر نفاق یعنی زبان سے اقرار کرے مگر دل میں یقین نہیں۔ [معالم تحت آیت]

احسن الفوائد

❸: اس آیت میں دل، کان، آنکھ کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ علم کے یہی تینوں رستے ہیں۔ آدمی دل سے سمجھتا ہے، کان سے سنتا ہے، آنکھ سے دیکھتا ہے۔ مگر جب دل اور کان پر مہر لگ گئی، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا تو اب نہ ہدایت کو سمجھ سکتے ہیں، نہ حق کو دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ یہ لوگ حق بات کے سننے سے تکبر واعراض کرتے ہیں مگر درحقیقت یہ بات ٹھیک نہیں۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ صاف لفظوں میں فرما رہا ہے کہ ہم نے اُن کے دل پر مہر لگا دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آیا ہے کہ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر اس گناہ کی وجہ سے ایک کالا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے بعد توبہ وندامت کی اور گناہ سے رک گیا تو دل کو صیقل (صاف ستھرا) ہو گیا اور اگر گناہ میں اَور بڑھا تو وہ نقطہ بھی زیادہ بڑھتا جائے گا، اور بڑھتے بڑھتے سارے دل پر چھا جائے گا۔ یہ وہی رَین ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ دیتا ہے:

﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾

''ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اُن کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے اس لیے جو وہ کمایا کرتے تھے۔'' [المطففين ٨٤: ١٤]

احادیث التفاسیر

(ف۶): یعنی گناہوں کی کثرت سے دل مردہ ہو گئے اور ان میں حق ناحق کی تمیز اور پہچان نہ رہی۔ تو بس ایسے ہو گئے کہ جیسے کسی چیز کو بند کر کے اُس پر مہر لگا دیں نہ اُس میں کوئی چیز داخل ہو سکے نہ باہر نکل سکے۔ اُن کے دلوں میں بھی نہ ایمان داخل ہوگا نہ اُن سے کفر نکلے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا فَاَيُّ قَلْبٍ اُشْرِبَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَاَيُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى يَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ اَبْيَضَ مِثْلَ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهٗ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ وَالْاٰخَرُ اَسْوَدَ مُرْبَادًّا كَالْكُوْزِ مُجْخِيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا اِلَّا مَا اُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ 》 [مشکوۃ کتاب الفتن الفصل الاول]

''فتنے (اور طرح طرح کے خلافِ شرع کام) کثرت سے آدمیوں کے دلوں کو پیش آنے لگیں گے (اور اُن پر اپنے اثرات چھوڑنے لگیں گے) جیسے چٹائی کے تنکے (لیٹنے والے کے جسم پر نشانات چھوڑ دیتے ہیں۔) جس دل نے (توفیق الٰہی سے) اُنھیں ردّ کر دیا اُس پر نور کا ایک نشان لگتا چلا جائے گا، جو دل اُن (فتنوں) کو قبول کرلے گا اُس پر سیاہ دھبا لگتا چلا جائے گا۔ ہوتے ہوتے نورانی نقطوں والا دل ایسا روشن ہوجائے گا کہ پھر اُس پر کسی برائی کا اثر نہیں ہوگا، جب کہ سیاہ نقطوں والا دل کالا بھجنگ ہوجائے گا حتی کہ اُسے اپنی خواہش کے سوا کسی اچھے برے اور حق ناحق کی پہچان باقی نہ رہے گی۔
اللھم احفظنا من کل بلاء۔ آمین

احسن الفوائد

❹: اس آیت کا سبب نزول یہ تھا کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے ابن ابی منافق اور اس کے یاروں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور نفاق نہ کرو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اے ابوالحسن! ہماری طرف نفاق کی نسبت کرتے ہو باوجود اس کے کہ ہم ایمان دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ردّ میں یہ آیت نازل فرمائی۔

❺: ایک آزار تو یہ تھا کہ جس دین کو دل نہ چاہتا تھا اُسے ناچار قبول کرنا پڑا۔ اور دوسرا آزار اللہ نے زیادہ دیا کہ جہاد کا حکم دیا۔ تو جن (یہود وغیرہ) کے خیرخواہ تھے اُن سے لڑنا پڑا۔

احادیث التفاسیر

(ف ۷): یہ منافقوں کا ذکر ہے جیسا کہ سورۂ نساء کے اکیسویں رکوع میں ہے:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾

یعنی ''منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو فریب دیتے ہیں۔''

نفاق بڑا سخت گناہ ہے اور منافقوں پر کافروں سے بھی زیادہ عذاب ہوگا، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾

یعنی ''تحقیق منافق لوگ دوزخ کے سب سے بدرتر درجہ میں ڈالے جائیں گے۔'' **نعوذ باللہ من عذاب اللہ تعالیٰ**

منافق کی تعریف اور علامات: اصل میں منافق وہ ہے جس کے دل میں ایمان نہ ہو، دنیاوی غرض اور مصلحت کے لیے ظاہر میں اسلام کو قبول کیا ہو۔ مگر بعض گناہ بھی ایسے ہیں کہ اُن کو آنحضرت ﷺ نے نفاق کی علامت فرمایا ہے، اگرچہ وہ شخص سچے دل سے مسلمان ہو۔ لیکن وہ گناہ کرے گا تو وہ بھی منافقوں میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ 》

[صحیح مسلم، رقم: ٥٩]

''تین چیزیں منافق کی علامتیں ہیں اگرچہ وہ شخص نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور اسلام کا دعویٰ کرتا ہو: ایک جھوٹ بولنا، دوسری وعدہ خلافی، تیسری امانت میں خیانت کرنی۔''

ایک روایت میں چار چیزوں کا ذکر ہے چوتھے غصہ میں گالیاں اور فحش بکنا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ خصلتیں منافقوں میں ہوا کرتی ہیں۔ اگر کوئی شخص سچے دل سے مسلمان ہے اور نماز روزہ وغیرہ ارکانِ اسلام بھی ادا کرتا ہے لیکن خدانخواستہ یہ خصلتیں اُس میں ہوں گی تو ان کی نحوست سے اُس کا نماز روزہ برباد ہونے اور اُس کا منافقوں میں داخل ہونے کا اندیشہ ہے۔ افسوس! آج جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت اور گالی گلوچ کا بہت رواج ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ باتیں ہوشیاری اور کارروائی کا ذریعہ سمجھی جانے لگتی ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایمان والوں کو بہت ڈرنا اور خبردار ہوجانا چاہیے کہ گناہوں کا دریا کہاں تک آگیا اور ہم کیسے غافل پڑے ہوئے ہیں۔

افتاء

ضرر کی صورت میں ولی کو ولایت سے محروم کیا جاسکتا ہے

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اندریں مسئلہ کہ ہندہ نے اپنے باپ کو بوجہ لالچی اور خودغرض ہونے کے ترک کر کے کسی اور معتبر آدمی کو اپنا ولی مقرر کر کے اپنا نکاح کرالیا، کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے؟ کیا خودغرض اور لالچی ہونے کی بنا پر باپ کو ولایت سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ بینوا توجروا

جواب: اسلام نے اگر ولی کی سیادت اور بالادستی کو ضروری قرار دیا ہے، تو اس کے لیے یہ شرط بھی ضروری کردی ہے کہ اس میں ''رشد'' یعنی دیانت اور خیرخواہی بھی ہو، عورت کے لیے ضرر کا باعث نہ بنے۔ اگر ''رشد'' کی شرط ولی کے اندر مفقود ہوگئی تو اس کو ولایت سے شریعت نے محروم کردیا ہے اور لڑکی کو حق دیا ہے کہ وہ قریبی ولی سے دوسرے یا تیسرے نمبر پر یا بدرجہ آخر کسی معتبر آدمی مثلاً قاضی، بادشاہ، محلّہ کے چودھری کو اپنا ولی بنا کر نکاح کرالے۔

مثلاً عورت کسی جگہ کو اپنے رشتے کے لیے مناسب سمجھتی ہے اور شرعاً بھی کوئی قباحت نہیں لائی جاتی، تو ولی کو کسی بھی وجہ کی بنا پر اسے روکنا جائز نہیں ہے، اگرچہ یہ ولی باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

① ..... قرآنِ حکیم میں ولیوں کو خطاب فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ﴾ [البقرة]

''عورتوں کو نکاح کرنے سے مت روکو۔''

اس آیت سے علامہ سیوطی نے استدلال کیا ہے:

وقال فی الاکلیل فیه تحریم العضل علی الاولیاء۔

[ص:٦٠، برحاشیه جامع البیان]

''کہ ولیوں کو مناسب جگہ (کفو) سے روکنا حرام ہے۔''

② ..... حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

اخرج الشافعی والبیهقی عن ابن عباس موفوفا قال لا نکاح الا بولی مرشد و شاهدی عدل ۔ رواه البیهقی مرفوعاً وقال المحفوظ الموقوف ۔

[نیل الاوطار، ج:٦، ص:١٠٠] وحسن اسناد الموقوف صاحب سبل السلام [ص:٦٥، ج:٢، فاروقی]

''مرشد، دیانت دار، خیرخواہ، ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوگا یہ قول آنحضرت ﷺ سے بھی بسند غیر محفوظ مروی ہے۔ لیکن موقوف کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔''

③ ..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملوں کو لکھا تھا:

عن زیاد بن علاقة قال کتب عثمان بن عفان ان کان کفواً فقولوا لابیها یزوجها فان ابی فز وجوها

''رشتہ ہو تو اس کے باپ سے کہو رشتہ کردے، ورنہ تم خود ولی بن کر نکاح کردو۔'' [سنن کبریٰ بیہقی ص:١٣٨، ج:٧]

④ ..... حضرت علی، حضرت عبداللہ وشریح قاضی کا فتویٰ یہی ہے:

عن الشعبی عن علی وعبد الله وشریح قالوا لا نکاح الا بولی الا امرأة یعضلها الولی فتاتی السلطان والقاضی ۔ [سنن کبریٰ، ج:٦، ص:١٣٨]

''کہ نکاح تو بغیر ولی کے نہیں ہوگا، ہاں اگر ولی (مناسب اور جائز جگہ سے) روکے تو عورت حاکم یا قاضی کو ولی بنا کر اپنا نکاح کرالے۔''

⑤ ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تو بالکل ہی اس سلسلہ میں صاف ہے:

عن ابن عمر رضی الله عنه قال اذا کان ولی المرأة مضاراً فولت رجلاً فانکحها فنکاحه جائزٌ۔ [سنن دار قطنی، ص:٤٢٥]

⑥ ..... مذاہب اربعہ کی فقہ کی کتابوں میں بھی یہ مسئلہ اپنی ضروری تفصیلات کے ساتھ مذکور ہے۔ [فتاویٰ نذیریہ، ص:١٥١۔١٥٦، ج:٢ وغیرہ]

الحاصل بشرط صحت سوال ہندہ کا نکاح صحیح ہے، اضرار کی صورت میں ولی کو محروم کیا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت دوسرے کسی معتمد علیہ اور خیرخواہ شخص کو ولی بنا کر اپنا نکاح کرا سکتی ہے۔ [مطبوعہ ٢٦ مئی ١٩٥٠ء]

تفسیری افادات

سورۃ والتین

محمد عبدہٗ المصری رحمہ اللہ ...... ترجمہ: مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ

﴿ ھذا البلد الامین ﴾

بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس محترم آبادی میں قتل وغارت گری کو حرام قرار دیا۔ یہاں تک کہ درخت پودوں کا کاٹنا، خراب کرنا ممنوع ہے۔ صرف بعض چیزوں کو ضرورت کی بنا پر کاٹنے کی اجازت دی ہے جو اس شہر میں داخل ہوا وہ ہر قسم کی غارت گری اور تباہی سے مامون ہے۔ یہاں اس شہر کی قسم کھا کر اس کی عظمت وحرمت ظاہر کرنی مقصود ہے۔ یہ وہ نورانی مرکز ہے جہاں سے آفتابِ اسلام کی شعائیں نمودار ہوئیں، اور سارا عالم اس کی تابانیوں اور جلوہ افروزیوں سے جگمگا اٹھا۔

﴿ وطور سنین ﴾

یہ وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باری تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، اور کلیم اللہ کے باعظمت لقب سے ممتاز ہوئے۔ اس کو "طورِ سیناء" بھی کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ سیناء یا سنین پہاڑ کے قریب ایک گوشہ کا نام ہے۔ اس پہاڑ کی قسم کھانے سے اس کی رفعت وعظمت کا اظہار اور ان روشن نشانیوں کو یاد دلانا مقصود ہے جو اس پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے ظاہر ہوئیں۔

تین کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

① ...... دمشق میں ایک پہاڑ ہے جس کو طور تینا کہا جاتا ہے وہاں تین (انجیر) کی پیداوار بہ کثرت ہوتی ہے۔

② ...... تین دمشق کی مسجد کا نام ہے۔

③ ...... تین نوح علیہ السلام کی مسجد کا نام ہے جو انہوں نے کوہِ جودی پر تعمیر کی تھی۔

④ ...... کوفہ یا حلوان، ہمزان کے درمیان ایک مقام ہے جہاں نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ٹھہرے تھے۔

قول نمبر ۳ و ۴ کی بنا پر تین کی قسم کھانے کی حکمت صاف ظاہر ہے، کہ مسلمانوں کو عبرت حاصل ہو کہ نافرمان کس طرح تباہ وبرباد ہوئے اور نیکوں کو خدا نے اپنی رحمت سے طوفان کی موجوں سے کس طرح بچالیا۔

باقی قول نمبر ۱ و نمبر ۲ کے لحاظ سے بہ ظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ والعلم عند اللہ

﴿ والزیتون ﴾

اس کی تفسیر میں بھی چند اقوال ہیں:

① ...... زیتون طور زیتا کا نام ہے۔

② ...... بیت المقدس میں ایک پہاڑ ہے۔

③ ...... زیتون بیت المقدس ہی کا نام ہے، یہاں زیتون کے باغ بہ کثرت ہیں اس لیے اس مقام کو زیتون کہا گیا ہے۔

ان اقوال سے یہ بات روشن ہوگئی کہ یہاں محض درختوں کی قسم کھانی مقصود نہیں ہے بلکہ ان مقامات کی جہاں یہ پیدا ہوئے ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں تین زیتون ہی کی قسم کھا کر ان کے بے شمار فوائد اور ان گنت منافع کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، لیکن اس صورت میں طورسنین اور بلد امین میں تو مناسبت معلوم ہوتی ہے لیکن تین وزیتون کی ان دونوں مقامات کے ساتھ کوئی مناسبت بہ ظاہر سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لیے راجح یہی ہے کہ تین زیتون سے ان کے اردگرد کے مقامات مراد لیے جائیں۔

بعض کا خیال ہے کہ قسم ان دونوں درختوں کی ہی کھائی گئی ہے۔ لیکن فوائد کی بنا پر نہیں بلکہ اس لیے کہ ان دونوں کے ذریعہ بڑے اہم واقعات کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جن کے آثار اب تک انسانی احوال میں

باقی ہیں۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ انسان کی پہلی پیدائش سے لے کر آنحضرت ﷺ کے ظہور تک جو لمبا زمانہ گزرا ہے اس کے چار دوروں کو یاد دلا رہا ہے۔

تین سے اشارہ ہے انسان کے اس ابتدائی دور کی طرف جب کہ وہ جنت میں انجیر کے پتوں کے سایہ میں زندگی گزارتا تھا۔اور جب کہ اس نے اور اس کی بیوی نے پردہ دری کے وقت اسی کے پتوں سے ستر پوشی کی تھی۔اور زیتون سے نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔اور یہ اس طرح کہ جب طوفان سے دنیا تباہ ہوگئی اور نوح علیہ السلام کی کشتی ایک مقام پر جا کر ٹھہری تو انہوں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی ہر طرف پانی ہی پانی نظر آیا۔آپ نے ایک پرندے کو بھیجا تا کہ زمین کی خشکی معلوم ہو،لیکن وہ پرندہ واپس نہ آیا۔آپ نے دوسرا بھیجا وہ کچھ عرصہ بعد زیتون کا پتہ لیے ہوئے لوٹا۔نوح علیہ السلام پتے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ اب اللہ کی ناراضگی جاتی رہی اور اب زمین کی آبادی کا وقت آ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں زیتون کی قسم کھا کر اس عظیم الشان حادثہ کو یاد دلایا۔طور سنین سے موسوی شریعت کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔اور یہ ظہور اس وقت ہوا جب کہ دنیا بت پرستی کی آلائشوں سے گندی ہو چکی تھی۔اسی شریعت کی اشاعت کے لیے بعد میں بہت انبیائے کرام مبعوث ہوئے،جن کے آخر میں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے حق کی آواز کو بلند کیا۔بت پرستی کی تردید کی،یہ دور بھی ختم ہوگیا اور آہستہ آہستہ شرک وبدعت کے پردوں نے نورِ توحید کو چھپا لیا،ہر طرف خواہشوں کی پیروی ہونے لگی،خدا کے احکام میں من مانی تاویلات کی جانے لگیں۔ایسے وقت میں ابر رحمت جوش میں آیا،نیا دور شروع ہوا،ظلمتیں چھٹ گئیں،شرک وبدعت کے پردوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھرنے لگیں۔روشنی کا نیا دور شروع ہوا اس کے سامنے گزشتہ ادوار کی روشنیاں ماند پڑ گئیں۔یہ وہ مبارک زمانہ تھا جب کہ نور محمدی کا ظہور مکہ میں ہوا،اسی وقت انسانیت کے عہد سعادت کی بنیاد پڑی،اسی باعظمت دور کی طرف البلد الامین سے اشارہ کیا ہے۔اس تفسیر کے مطابق قسم اور جوابِ قسم میں مناسبت ظاہر ہے۔

﴿ لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقویم ﴾

''یعنی بے شک ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ اور انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی جو غفلت اور بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے شرف وعزت کا احساس نہیں کرتے۔گویا ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور بہائم کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔یہی تو وجہ ہے کہ ہر قسم کی بے شرمیاں،بے حیائیاں کرنے میں جانوروں کی طرح انہیں کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔

﴿ یأکلون کما تأکل الأنعام والنار مثوی لهم ﴾

[محمد:۱۲]

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ انسان فطرتاً اپنے اندر شر وفساد کی طرف میلان رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس گمان کو ہی اس آیت سے باطل کر دیا کہ اُس نے انسان کے نفس اور بدن کو بہت سی خوبیوں سے مالا مال کیا ہے۔اور عقل کو ایسی دولت بخشی ہے جس سے وہ دنیا کی تمام کائنات پر برتری حاصل کر سکتا ہے اور آسمان کے بہت سے بھیدوں کو معلوم کر سکتا ہے۔

انسان اپنے ابتدائی دور میں خودغرضی،خود پسندی سے پاک تھا،لطف ومہربانی سے اس کا دل بھرپور تھا،طبیعت میں سادگی اور تکلف سے ناآشنا تھا جیسا کہ بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔یہ دور نہایت ہی مبارک اور سعید تھا،انسانی افراد اطمینان وسکون سے زندگی گزار رہے تھے۔یہ زمانہ انجیر کے اس قدر مشابہ ہے جس طرح اس کا کوئی حصہ بے کار نہیں جاتا بلکہ سب کھایا جاتا ہے۔یہی حالت انسان کی بھی تھی اس کے تمام کام صلاحیت سے پر تھے۔سب جماعت کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت وحاجت کا احساس تھا۔ہر شخص اپنی تھوڑی بہت روزی پر قناعت کرتا تھا۔لیکن پھر زمانہ نے پلٹا کھایا،خواہشات میں اختلاف برپا ہوا،حسد کی چنگاریاں بھڑکیں،دشمنی اور کینہ کے شعلے بلند ہوئے،خون ریزوں اور ہنگامہ آرائیوں نے انسانی خون سے زمین کو لالہ زار بنا دیا۔

طبیعتوں میں کھوٹ،دلوں میں خیانت اور حق تلفی نے جگہ پکڑ لی،

حیوانات کے پاس امانت رکھوانا انسانوں کے پاس رکھوانے سے بہتر سمجھا جانے لگا۔اس طرح انسان اپنی نفس پرستیوں اور ہوس رانیوں کی وجہ سے اپنی فطری بلندی سے گر کر ذلت ورسوائی کی انتہائی پستیوں میں پہنچ گیا۔اسی کو فرمایا:

﴿ ثم رددناه أسفل سافلين ﴾

یعنی ''ہم نے انسان کو بہت سے حیوانوں سے جن سے وہ بلند تھا پست کردیا۔''

ایک درندے سے بے رحمی، سفا کی کے جو کچھ افعال سرزد ہوئے ہیں وہ اس کی عین فطرت کے مطابق ہیں۔ وہ ان افعال کی بنا پر اپنے درجہ سے نہیں ہٹا لیکن انسان کا معاملہ دوسرا ہے۔ جب اس نے عقل سے کام نہ لیا، اپنی اور اپنے بھائیوں کی کامیابیوں کے اسباب سے غفلت برتی، تو کیا وہ حیوانات سے بدتر نہ ہوگا؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

﴿ إذا فسد الإنسان فلا تسل عما يستتر عنه من هذيان أو عدوان ﴾

یعنی ''جب انسان کی طبیعت میں فساد برپا ہوجاتا ہے تو پھر اس کی سرکشیوں، سرتابیوں اور ہرزہ سرائیوں، یاوہ گوئیوں کی حد نہیں رہتی۔''

پھر جو لوگ اسفل سافلین کی گہرائیوں میں پہنچے ان میں بعض تو وہ ہیں جو نوح علیہ السلام کے زمانہ میں تباہ ہوئے اور کچھ دوسرے زمانوں میں ہلاک ہوں گے۔ جس طرح دنیا میں ان کے لیے تباہی و بربادی ہے اسی طرح آخرت میں ذلت ورسوائی ان پر مسلط ہوگی اور طرح طرح کا عذاب اُن کو ستائے گا۔

﴿ الا الذين امنوا وعملوا الصلحت فلهم أجر غير ممنون ﴾

''مگر جن دلوں میں ایمان کی روشنی ہے جو اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہیں۔''

انہی کے لیے دنیا وآخرت کی کامیابیاں ہیں، یہی لوگ ہیں جنہوں نے انسانیت کی حفاظت کی اور فطرتی اعتدال ومیانہ روی کے دامن کو نہ چھوڑا، انہی کے لیے دنیا میں عزت ہے اور آخرت میں دائمی خوشیاں ہیں۔

یہ کون لوگ ہیں؟ انبیائے کرام کی پاکیزہ جماعت اور ان کے فرماں بردار۔ آج جو کچھ تم دنیا میں دیکھ رہے ہو انہی کی کوششوں کے نتائج وآثار ہیں۔

﴿ فما يكذبك بعد بالدين ﴾

اے انسان تجھے کون سی چیز اطاعت وفرماں برداری سے برگشتہ کر رہی ہے۔ حالاں کہ خدا نے تجھے بہترین بناوٹ میں پیدا کیا ہے اور تجھے خوب معلوم ہے کہ انسانیت کے شرف وعزت کی حفاظت کرنے والے صرف مومنین، صالحین ہیں۔ یہی لوگ صحیح دین پر ہیں۔

﴿ أليس الله بأحكم الحاكمين ﴾

خدا کی نشانیوں اور قدرتوں کو دیکھتے ہوئے اس بلندترین حاکمیت سے انکاری ہے۔ وہ تو تمام مدبرین سے زیادہ حکمت وقدرت والا ہے اسی لیے اس نے نوع انسانی کی حفاظت وترقی کے لیے قوانین شریعت مقرر کیے۔ انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا اور یہ سلسلہ برابر نوح علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔

مذکورہ بالا تفسیر کی بنا پر دین کے معنی اخلاصِ دل اور اطاعت کے ہیں۔ اس طرح فما تکذب کا تعلق ماقبل سے خوب واضح ہوجاتا ہے۔ بعض نے دین کے معنی جزا کے لیے ہیں اور ماقبل آیات سے تعلق اس طرح بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق ہے اور اسی نے اس کو بغیر کسی نمونہ کے ابتداءً پیدا کیا ہے تو کیا وہ قیامت کے دن دوبارہ جزا وسزا کے لیے زندہ نہیں کرسکتا۔ لیکن سورت کا اندازِ بیان پہلے معنی کی تائید کرتا ہے اور دوسرا معنی بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

❀❀............❀............❀❀

دعائے مغفرت

انجینئر عبدالسلام صاحب (سنت نگر) لاہور، کی خالہ محترمہ ۲۳ جنوری بروز ہفتہ وفات پا گئیں۔ مرحومہ بااخلاق اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ احباب ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ [لواحقین]

اجارہ کے اصول اور اسلامی وسودی بینک!

حافظ ذوالفقار علی، ابو ہریرہ شریعہ کالج لاہور

اجارہ/لیز کی شرائط:

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اجارہ کی دونوں قسمیں جائز ہیں اور شریعت اسلامی دونوں کے قواعد و ضوابط پر روشنی ڈالتی ہے لیکن ہم یہاں صرف پٹہ داری کے احکام وشرائط ہی ذکر کریں گے، کیونکہ مروجہ اسلامی بینکوں کی اجارہ مصنوعات کی بنیاد یہی قسم ہے۔ اجارہ/لیز کے احکام تو بہت مفصل ہیں جن کا احاطہ یہاں ممکن نہیں، تاہم ذیل میں ضروری احکام کا جامع خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

❁......صرف وہی چیز اجارہ پر دی جا سکتی ہے جو پٹہ دہندہ (Lessor) کی ملکیت ہو اور اس کے قبضہ میں آ چکی ہو۔ ملکیت اور قبضہ سے قبل کسی کے ساتھ اجارہ کا معاملہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ جو چیز انسان کے پاس موجود نہ ہو اس کی بیع منع ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((وَلَا بَيْـعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ)) [سـنـن الترمذی، باب ما جاء فی کراهية بيع ماليس عنده]

''جو چیز تیرے پاس موجود نہیں اس کی بیع درست نہیں۔''

اجارہ کسی چیز کے حق استعمال کی بیع ہے، لہٰذا جس طرح غیر ملکیتی چیز کی فروخت صحیح نہیں اسی طرح اس کو اجارہ پر دینے کا معاملہ بھی صحیح نہیں۔

البتہ کسی کلائنٹ کو اس کی ضرورت کا اثاثہ خرید کر اجارہ پر دینے کا وعدہ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس وعدہ کی پابندی دونوں یا کسی ایک فریق کے لیے لازم نہ ہو، کیونکہ لازمی وعدہ کا مطلب ہے کہ پٹہ دہندہ نے اثاثہ خریدنے سے پہلے ہی اجارہ کا معاملہ کر لیا ہے جو درست نہیں۔ اس لیے کہ خرید وفروخت کے معاملات میں ایسا وعدہ جس کی پابندی ضروری ہو حقیقت میں عقد ہی ہوتا ہے جو مستقبل کی تاریخ کو مؤثر ہو رہا ہوتا ہے۔

❁......اگر پٹہ دہندہ/بینک یا مالیاتی ادارہ کسی اثاثے کو خریدنے سے قبل ہی اجارہ پر دینے کا وعدہ کر چکا ہو تو وہ اس کی خریداری کے لیے اس شخص کو اپنا ایجنٹ (وکیل) مقرر نہ کرے جو اثاثہ خود کرایہ پر لینا چاہتا ہو کیونکہ اس صورت میں پٹہ دہندہ/بینک یا مالیاتی ادارے کا کردار مالی وسائل فراہم کر کے فائدہ حاصل کرنے تک رہ جاتا ہے، جس سے یہ معاملہ سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے، اس لیے کہ دونوں صورتوں عملاً میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سود کی شدید حرمت کے پیش نظر اس تکنیک سے پرہیز اور احتراز واجب ہے۔

❁...... اجارہ کے معاملہ میں ''معقود علیہ'' (Subject Matter) اجارہ شدہ اثاثے اور جائیداد کا فائدہ یا حق استعمال ہوتا ہے، اس لیے عقدِ اجارہ صحیح ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ جس فائدے یا حق استعمال کو اجارہ پر دینا مقصود ہو وہ غیر مبہم، متعین اور معلوم ہو، تا کہ بعد میں فریقین کے درمیان کسی قسم کا نزاع پیدا نہ ہو۔ مجہول منفعت کا اجارہ قطعی ناجائز ہے کیونکہ یہ غَرَر (Uncertainty) میں داخل ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

❁......قرض دینے کی شرط پر اجارہ کا معاملہ کرنا یا اجارہ کی شرط پر قرض دینا جائز نہیں یعنی یہ کہنا کہ میں آپ کو قرض دوں گا بشرطیکہ آپ میرے ساتھ اجارہ کا معاملہ کریں یا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر اجارہ کا معاملہ کروں گا کہ آپ اس کے بدلے مجھے اتنا قرض دیں ناجائز ہے، جیسا کہ آنحضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

لَا يَـحِلُّ بَيْعٌ وَّسَلَفٌ [سـنـن الترمذی، باب ما جاء فی کراهية بيع ماليس عنده]

''بیع اور قرض جمع نہیں ہو سکتے۔''

بیع میں اجارہ بھی شامل ہے لہٰذا قرض اور اجارہ کا معاملہ بھی جمع نہیں ہو سکتا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وإن شرط فی القرض أن یؤجره داره أو یبیعه شیئا أو أن یقرضه المقترض مرة أخری لم یجز لأن النبی صلی الله علیه و سلم نهی عن بیع وسلف ولأنه شرط عقدافی عقد فلم یجز۔

[المغنی ج٦ ص٤٣٧]

''اور اگر قرض میں یہ شرط لگائے کہ وہ اسے اپنا گھر کرایہ پر دے گا یا اسے کوئی چیز بیچے گا یا کسی موقع پر قرض لینے والا اسے قرض دے گا تو یہ جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے بیع اور قرض سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ اس لئے بھی منع ہے کہ اس نے ایک عقد میں دوسرے عقد کی شرط لگائی ہے جو ناجائز ہے۔''

❁...... اجارہ کا معاملہ طے کرتے وقت اس امر کا تعین بھی ضروری ہے کہ یومیہ، ماہانہ یا سالانہ کرایہ کیا ہوگا، تاکہ اس میں غرر کا عنصر شامل نہ ہو، اور اگر اجارہ طویل مدت کے لیے ہو تو پھر یہ بھی طے ہو جانا چاہیے کہ آئندہ اس میں اضافہ کتنی مدت بعد ہوگا، اور کس تناسب سے گا۔ مثلاً پانچ فیصد سالانہ۔

❁...... جب تک پٹہ دہندہ اجارہ شدہ اثاثہ پٹہ دار کے قبضہ میں نہیں دے دیتا یا معاہدہ اجارہ کے اندر کرائے کا کچھ حصہ پیشگی ادا کرنے کی شرط نہیں لگا لیتا وہ کرائے کی وصولی کا استحقاق نہیں رکھتا۔ تاہم معاہدہ اجارہ سے قبل کرائے کی ادائیگی کا مطالبہ درست نہیں۔

❁......کرائے کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر پٹہ دار سے اضافی رقم وصول کرنی جائز نہیں، کیونکہ کرایہ واجب الادا ہونے کے بعد کرایہ دار کے ذمہ دَین (Debt) بن جاتا ہے جس پر ملنے والا کوئی بھی اضافہ سود کی تعریف میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوتا ہے۔ اگرچہ پٹہ دار ر بینک یا مالیاتی ادارہ یہ اضافی رقم نیکی اور بھلائی کے کاموں پر خرچ کرنے کے ارادے سے حاصل کرنا چاہتا ہو مگر پھر بھی جائز نہیں۔ [دوسرا البرکہ سیمینار فتوی نمبر۱۳ ملاحظہ ہو جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں: ص۴۳]

❁......اجارہ پر لینے والا شخص (Lessee) صرف چیز کا حق استعمال خریدتا ہے۔ اجارہ کے پورے عرصہ کے دوران اصل چیز پٹہ دہندہ (Lessor) کی ملکیت میں رہتی ہے اس لیے اگر اجارہ کی مدت کے دوران لیز شدہ چیز کا کوئی نقصان ہو جائے تو وہ پٹہ دہندہ برداشت کرے گا۔ تاہم پٹہ دار کی بے اعتنائی یا بدعہدی کی وجہ سے ہونے والے نقصان کے اثرات اسے خود ہی برداشت کرنا ہوں گے۔ کیوں کہ اجارہ شدہ اثاثہ پٹہ دار کے پاس امانت ہوتا ہے لہٰذا وہ صرف اسی صورت کا ذمہ دار ہوگا جب نقصان اس کی عدم توجہ یا غلط استعمال کے باعث ہوا ہو۔

❁...... لیز کی پوری مدت کے دوران لیز شدہ اثاثے کو قابل استعمال حالت میں رکھنا پٹہ دہندہ کی ذمہ داری ہے کیونکہ پٹہ دار سے لیا جانے والا کرایہ دراصل اثاثے سے فائدہ اٹھانے کا معاوضہ ہے، لہٰذا پٹہ دہندہ کا فرض ہے کہ وہ اس کو درست حالت میں رکھے، تاکہ پٹہ دار اس سے مکمل فائدہ حاصل کر سکے۔ البتہ جن اخراجات کا تعلق استعمال سے ہو جیسے بجلی اور گیس وغیرہ کا بل وہ پٹہ دار خود برداشت کرے گا۔

❁...... اجارہ میں یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ اجارہ کی مدت ختم ہونے کے بعد لیز شدہ چیز پٹہ دار کو فروخت یا ہبہ کر دی جائے گی کیونکہ اس طرح ایک عقد میں دو عقد جمع ہو جاتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہے۔ چناں چہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نَهَی رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِی بَیْعَةٍ۔ [سنن ترمذی: باب ماجاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة ۔سنن نسائی بیعتین فی بیعة]

''رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا ہے۔''

❁...... جب اصلی مالک اجازت دے یا عرف عام میں ایسا کرنا جائز سمجھا جاتا ہو تو پٹہ دار وہی اثاثہ اور جائیداد کسی دوسرے شخص کو بھی کرایہ پر دے سکتا ہے، خواہ دوسرے شخص سے لیا جانے والا کرایہ اصلی مالک کو ادا کئے جانے والے کرائے کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو یا زائد۔ اس کو ضمنی اجارہ (Sub Lease) کہا جاتا ہے۔ عربی میں اس کے لیے ''التأجیر من الباطن'' کی اصطلاح وضع ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ انعقاد اجارہ کے بعد اس چیز کی منفعت مکمل طور پر پٹہ دار کی ملکیت بن جاتی ہے، لہٰذا وہ یہ منفعت جسے چاہے فروخت کرے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ دوسرا کرایہ دار اس سے اتنا ہی فائدہ حاصل کرے جتنا پہلے کرایہ دار نے طے کیا تھا یا اس سے کم، مثلاً

ایک شخص نے رہائش کے لیے مکان کرایہ پر لیا تو کسی دوسرے کو رہائش کے لیے دے سکتا ہے، مگر فیکٹری لگانے کے لیے دینا جائز نہیں کیونکہ اس سے مکان کو زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کویت کے فقہی انسائیکلو پیڈیا میں ہے۔

جمهور الفقهاء (الحنفيّة والمالكيّة والشّافعيّة والأصحّ عند الحنابلة) على جواز إيجار المستأجر إلى غير المؤجر الشّيء الّذى استأجره وقبضه فى مدّة العقد، ما دامت العين لا تتأثّر باختلاف المستعمل، وقد أجازه كثير من فقهاء السّلف، سواء أكان بمثل الأجرة أم بزيادة۔

[الموسوعة الفقهية: ج١، ص٢٦٧]

''جمہور فقہاء یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک کے صحیح قول کے مطابق پٹہ دار مدت اجارہ کے دوران پٹہ پر لی گئی چیز پٹہ دہندہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو کرایہ پر دے سکتا ہے بشرطیکہ استعمال کنندہ کے بدلنے سے اجارہ شدہ چیز متأثر نہ ہو۔ سلف میں سے اکثر فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے خواہ پہلے کرائے پر ہی دی جائے یا زائد پر۔''

لیکن اگر عرف عام میں مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز نہ سمجھا جاتا ہو یا مالک نے اس سے منع کر دیا ہو تو پھر اس کی واضح اجازت کے بغیر کسی اور کو کرایہ پر دینا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں منفعت کی ملکیت پٹہ دار کی طرف اس قید کے ساتھ منتقل ہوئی ہے کہ وہ آگے کسی دوسرے شخص کو کرایہ پر نہیں دے گا، لہذا اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔

❁......فریقین کی باہمی رضامندی کے بغیر طے شدہ مدت سے قبل اجارہ ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کی طرح اجارہ بھی عقد لازم ہے، لہٰذا کسی فریق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے یکطرفہ ختم کر دے۔ چناں چہ ''نیل المآرب'' میں ہے۔

والاجارة عقد لازم من الطرفين ليس لواحد منهما فسخها بلا موجب، لانها عقد معاوضة فكان لازما كالبيع۔ [نيل المآرب بشرح دليل الطالب: ص٢٠٢]

''اجارہ عقد لازم ہے۔ فریقین میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے بلاوجہ فسخ کر دے، کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے لہٰذا یہ بیع کی طرح لازم ہے۔''

ہاں اگر اجارہ شدہ اثاثہ قابل استعمال نہ رہے یا پٹہ دار طے شدہ شرائط کی پابندی نہ کر رہا ہو تو ایسی صورت میں دوسرے فریق کو یکطرفہ فسخ کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

فائنانشل لیز:

اسلامی نظام معیشت سے شغف رکھنے والا ہر طالب علم اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ اجارے یعنی لیز تمویل (فائنانسنگ) کا طریقہ قطعاً نہیں ہے، بلکہ یہ محض کسی چیز کے حق استعمال کے لین دین کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے اسلامی تاریخ کے کسی دور میں بھی اس کو مالیاتی سہولت کی حیثیت سے اختیار نہیں کیا گیا، حالانکہ ہر دور میں سرمایہ حاصل کرنے والے بھی موجود رہے ہیں اور سرمایہ لگانے والے بھی۔

لیزنگ/اجارہ کو بطور تمویل استعمال کرنے کا تصور ماضی قریب کی پیداوار ہے جسے ۱۹۵۰ کی دہائی میں ایک امریکی مالیاتی ادارے نے متعارف کرایا۔ اس سے پہلے لیزنگ کا بحیثیت مالیاتی سہولت کے کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ اسے زیادہ مقبولیت ۱۹۶۰ کے عشرہ میں حاصل ہوئی جب فرانس کے مالیاتی اداروں نے امریکی نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے ہاں اس کا آغاز کیا۔

[البیوع الاستمانیۃ بین الحل والحرمۃ ص ۵۳، لدکتور محمد بن عبداللہ الشبانی]

لیزنگ/اجارہ چونکہ اپنی اصل کے اعتبار سے تمویل کا ذریعہ نہیں ہے، اس لیے ان مالیاتی اداروں نے لیز کی دو قسمیں بنا دی ہیں۔

① ......آپریٹنگ لیز: یعنی استعمالی اجارہ (اجارہ تشغیلیہ) یہ وہ اجارہ ہے جس کا تصور شریعت نے دیا ہے، اس میں فریقین کے مابین واقعتاً پٹہ دہندہ اور پٹہ دار کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ یہ قسم سرمایہ کی ضرورت پوری کرنے کا ذریعہ نہیں ہے۔

② ......فائنانشل لیز: اس میں فریقین کے پیش نظر اجارے کا تعلق قائم کرنا نہیں بلکہ پٹہ دہندہ کا مقصد سرمایہ لگانا اور پٹہ دار کی نیت سرمائے کی سہولت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اس کو اردو میں ''کامل ادائیگی پٹہ داری'' اور عربی میں ''الاجارة التمويلية'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

سودی بینکوں کا طریقہ اور اس کی قباحتیں

روائتی بینکوں میں فائنانشل لیز کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کو گاڑی یا مشینری کی ضرورت ہے تو وہ بینک سے قرض لے کر خود خریدنے کی بجائے بینک سے کہتا ہے کہ آپ اس قسم کی گاڑی یا مشینری خرید کر مجھے کرایہ پر دے دیں۔اس دوران گاڑی اور مشینری کا مالک بینک ہی رہتا ہے وہ شخص صرف پٹہ دار ہونے کی حیثیت سے اسے استعمال کرتا ہے۔ایک مخصوص مدت کے لیے کرایہ اس طرح طے کیا جاتا ہے کہ بینک کو گاڑی یا مشینری کی قیمت مع اس سود کے جو اتنی مدت میں اس رقم پر بینک کو ملنا تھا وصول ہو جائے۔جب یہ مدت گذر جاتی ہے اور بینک کو کرایہ کی شکل میں گاڑی اور مشینری کی قیمت مع متعین شرح سود وصول ہو جاتی ہے تو گاڑی اور مشینری خود بخود پٹہ دار کی ملکیت بن جاتی ہے۔یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ بینک اس شخص کو گاڑی یا مشینری دینے کی بجائے رقم دیتا ہے جو طے شدہ اضافے کے ساتھ واپس لی جاتی ہے،عملاً چیز کا لین دین نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا طریقہ میں چونکہ بینک اور کلائنٹ دونوں کا فائدہ ہے اس لیے فریقین قرض کی بجائے اسے اختیار کرنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

بینک کا فائدہ یہ ہے کہ رقم کی وصولیابی کے لیے قرض کی نسبت یہ طریقہ زیادہ باعث اعتماد ہے،کیونکہ اس میں گاڑی اور مشینری بینک کی ملکیت ہی رہتی ہے،رقم واپس نہ ملنے کی صورت میں بینک اسے فروخت کر سکتا ہے۔

کلائنٹ کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ٹیکس سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک لیز کی تمام اقساط ادا نہیں کر دی جاتیں لیز شدہ اثاثہ اس کی ملکیت میں نہیں آتا جس کے نتیجے میں اسے اتنا عرصہ ٹیکس سے چھوٹ مل جاتی ہے۔یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ کسی شئی کے مفید ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شرعاً بھی جائز ہو۔

روائتی بینکوں میں لیزنگ کی جو عملی صورت رائج ہے وہ متعدد ایسی خرابیوں پر مشتمل ہے جن کی شریعت میں قطعاً گنجائش نہیں۔وہ خرابیاں درج ذیل ہیں۔

① ...... یہ حقیقت میں سودی معاملہ ہے جسے فریقین نے مذکورہ بالا فوائد کے پیش نظر لیز کا نام دے دیا ہے۔اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بینک کلائنٹ کو گاڑی یا مشینری خرید کر نہیں دیتا بلکہ رقم دیتا ہے اور اس پر طے شدہ نفع لیتا ہے جو سود کے زمرہ میں آتا ہے۔

اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ بینک رقم مہیا کرنے کے دن سے ہی کرایہ لینا شروع کر دیتا ہے،خواہ کلائنٹ کو گاڑی یا مشینری چند ماہ بعد ملے۔اگر یہ لیزنگ کا معاملہ ہوتا تو کرایہ حوالگی کے دن سے شروع ہوتا نہ کہ رقم کی فراہمی کی تاریخ سے۔نیز اس میں قسط کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ لیا جاتا ہے،یہ بھی سود میں داخل ہے۔

② ...... ایک ہی عقد میں لیز اور بیع کے دو معاملے جمع ہو جاتے ہیں شرعاً ایسا کرنا ممنوع ہے۔

③ ...... لیز شدہ اثاثے کا نقصان کلائنٹ خود برداشت کرتا ہے ،حالانکہ اس کا ازالہ بینک کی ذمہ داری ہے کیونکہ مالک وہ ہے۔

اسلامی بینکوں کا طریق کار

جبکہ اسلامی بینکوں کی اجارہ مصنوعات کے نمایاں خدّ وخال یہ ہیں۔

❀ ...... ایک شخص جسے گاڑی یا مشینری کی خریداری کے لیے سرمایہ درکار ہے بینک سے درخواست کرتا ہے کہ اسے اس قسم کی گاڑی یا مشینری خرید کر اجارہ پر دے دی جائے۔اگر اس کی مالی حالت اطمینان بخش ہو تو بینک اس کو مطلوبہ سہولت فراہم کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

❀ ...... سب سے پہلے فریقین کے درمیان ماسٹر فائنانسگ ایگریمنٹ یعنی ''اصولی معاہدہ برائے تمویل'' کے عنوان سے باہمی مفاہمت کے ایک معاہدے پر دستخط ہوتے ہیں جس میں وہ تمام شرائط و ضوابط درج ہوتی ہیں جن کے مطابق اجارہ کا معاملہ وجود میں آنا ہوتا ہے۔اس موقع پر بینک درخواست دہندہ سے یکطرفہ طور پر یہ وعدہ بھی لے لیتا ہے کہ جب بینک مارکیٹ سے اس کی مطلوبہ گاڑی خرید لے گا تو وہ ضرور اجارہ پر لے گا،اور اگر اس نے بینک کی خریداری کے بعد وہ چیز اجارہ پر نہ لی اور بینک کو اپنی لاگت سے کم قیمت پر دوسری جگہ بیچنی پڑی تو بینک کے اس نقصان کی تلافی وہ کرے گا۔نیز اسی موقع پر بینک درخواست دہندہ سے مطلوبہ چیز کی قیمت کا کچھ حصہ بالعموم بیس فیصد نقد رقم کی صورت میں جسے اسلامی بینک سیکورٹی ڈپازٹ کا نام دیتے ہیں پیشگی وصول پا لیتا ہے تا کہ اگر وہ بینک کی خریداری کے بعد اپنا وعدہ ایفاء

نہ کرے، یا ادائیگی میں ناکام رہے، یا دیوالیہ ہو جائے، یا اگر گاڑی واپس کرے اور اس کی لاپروائی یا بدعہدی کے باعث کوئی نقصان ہوا ہو تو اس رقم سے وصول کرنے میں سہولت رہے۔

البتہ معاہدۂ اجارہ پر دستخط مطلوبہ چیز کے حصول کے بعد ہوتے ہیں۔ چونکہ اجارہ کی تمام شرائط وضوابط ماسٹر فائنانسنگ ایگریمنٹ کی صورت میں پہلے ہی طے پا چکی ہوتیں ہیں اور اس معاہدے میں بھی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ اجارہ انہی شرائط وضوابط کے مطابق منعقد ہو رہا ہے جو ماسٹر فائنانسنگ ایگریمنٹ میں مذکور ہیں خصوصا کارپوریٹ اجارہ میں تو یہ معاہدہ اس اصولی معاہدے کا ضمیمہ ہی قرار پاتا ہے، لہذا معاہدہ اجارہ پر دستخط کو محض رسمی کارروائی سمجھنا چاہیے۔

❁......اجارہ کے معاہدے پر دستخط کراتے وقت بینک کلائنٹ سے یہ وعدہ بھی لے لیتا ہے کہ اگر دوران اجارہ فلاں فلاں شق کی خلاف ورزی کی وجہ سے بینک نے اجارہ ختم کر دیا تو وہ اجارہ شدہ اثاثہ خریدنے کا پابند ہوگا اور مختلف مہینوں کے حساب سے قیمت بھی متعین کر دی جاتی ہے کہ پہلے مہینے یہ، دوسرے اور تیسرے مہینے یہ قیمت ہوگی۔ نیز اس موقع پر بینک بھی یہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر کلائنٹ تمام اقساط باقاعدگی سے ادا کرتا رہا تو وہ اختتام اجارہ پر گاڑی اس کو فروخت کرنے کے بارے میں سوچے گا۔ بینک کی طرف سے کئے گئے وعدہ پر قبول کنندہ کی حیثیت سے کلائنٹ کے بھی دستخط ہوتے ہیں۔

❁......بعض اوقات بینک بالخصوص جب اجارہ شدہ اثاثہ پہلے سے استعمال شدہ یا درآمدی مشینری ہو کلائنٹ سے ہی کہہ دیتا ہے کہ وہ اس کے ایجنٹ کی حیثیت سے اپنی مطلوبہ چیز خود ہی خرید لے۔ اور اگر مطلوبہ چیز دوسرے ملک سے درآمد کی جا رہی ہو تو کلائنٹ کو اس پر قبضے کا وکیل بھی بنا دیتا ہے۔

❁......کرایہ کی اقساط اس تناسب سے مقرر کی جاتی ہیں کہ اختتام اجارہ تک بینک کو گاڑی کی قیمت بھی وصول ہو جائے اور اتنی مدت کے لیے اگر یہ رقم قرض پر دی جاتی تو جتنا سود ملنا تھا وہ بھی وصول ہو جائے، یعنی روائتی بینکوں کی شرح سود ہی اسلامی بینکوں کے نفع کی شرح کا معیار ہوتی ہے۔ مروجہ اسلامی بینکوں میں منافع اور کرائے کے تعین کے لیے کائبور یعنی کراچی انٹر بینک آفر ڈریٹ کو معیار بنانا ہر کس وناکس کے علم میں ہے۔

❁...... بینک جو رقم سیکورٹی ڈپازٹ کی مد میں لیتا ہے وہ منہا کر کے بقیہ رقم کے حساب سے قسطیں مقرر کرتا ہے کیونکہ بینک نے اپنے سرمائے پر ہی منافع لینا ہے۔ یہی وجہ ہے اگر کوئی کلائنٹ بینک کی فرمائش سے زائد رقم سیکورٹی ڈپازٹ کے طور پر جمع کرا دے تو اس کے کرائے کی قسط کم رکھی جاتی ہے۔ مثلا ایک شخص اسلامی بینک سے دس لاکھ مالیت کی گاڑی تین سال کے لیے اجارہ پر لیتا ہے اور سیکورٹی ڈپازٹ میں دو لاکھ جمع کراتا ہے تو بینک قسطیں اس تناسب سے مقرر کرے گا کہ ان تین سالوں میں آٹھ لاکھ بھی واپس مل جائے اور اس دوران اس رقم پر جو سود ملنا تھا وہ بھی موصول ہو جائے۔ لیکن اگر سیکورٹی ڈپازٹ کی مد میں تین لاکھ جمع کرا دے تو بینک سات لاکھ کے سود کی نسبت سے قسطیں مقرر کرے گا جو پہلی صورت سے بہرحال کم ہونگی۔

❁...... بینک قسطیں مقرر کرتے وقت گاڑی کی بکنگ کی تاریخ سے قبضہ (Delivery) تک کی درمیانی مدت (Grace Period) کے دوران بکنگ کی رقم پر حاصل ہونے والے متوقع سود کو بھی اپنی لاگت کا حصہ بنا لیتا ہے اور اسی کے مطابق قسطیں مقرر کی جاتی ہیں۔

❁......اگر پٹہ دار مقررہ تاریخ یا توسیع کی مدت تک ادائیگی میں ناکام رہے تو اس سے جرمانہ لیا جاتا ہے جو بینک کی زیر نگرانی قائم چیرٹی فنڈ میں جمع ہوتا ہے اور بینک اس فنڈ کو اپنی مکمل صوابدید کے مطابق چیرٹی مقاصد کیلئے استعمال کرتا ہے۔

❁...... جب اجارہ کی مدت مکمل ہو جاتی ہے اور کرائے کی شکل میں گاڑی کی قیمت شرح سود کے مطابق نفع سمیت ادا ہو جاتی ہے تو بینک گاڑی کلائنٹ کے نام منتقل کر دیتا ہے اور سیکورٹی ڈپازٹ کے طور پر جمع کرائی گئی رقم اس کا معاوضہ قرار پاتی ہے۔

واضح رہے فریقین کو شروع ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ اس طرح اختتام پذیر ہوگا۔ کیونکہ معاہدہ اجارہ، کلائنٹ کی طرف سے خریداری اور بنک کی جانب سے فروخت پر غور کا وعدہ سب مطبوعہ شکل میں وعدہ اجارہ کے ساتھ ہی منسلک ہوتے ہیں اور جب کوئی اجارہ کا خواہشمند آتا ہے تو یہ سب اس کو اکھٹے ہی فراہم کئے جاتے ہیں۔ [جاری ہے]

پند وموعظت

ماہِ صفر

عبدالرحیم بلتستانی

جب سرزمین عرب میں اسلام کا ظہور ہوا اس وقت جاہلی معاشرت میں دوطرح کے بگاڑ پائے جاتے تھے۔

ایک وہ بگاڑ جس کا تعلق اعمال اورافعال سے تھا، جیسے شراب پینا، چوری کرنا، زنا کرنا، قتل کرنا۔

دوسرا وہ بگاڑ جس کا تعلق اعتقاد وافکار سے تھا، جیسے بتوں کو معبود سمجھنا، زمانہ یا مخلوقات سے بدشگونی لینا وغیرہ۔ جب اسلام نے تدریجی حکمت عملی کو اپنایا اور سب سے پہلے انسان کے قلوب واذہان کو فاسد افکار وخیالات سے پاک کیا اور جو افکار وخیالات اور باطل عقیدے ان میں رچ بس گئے تھے ان کو محو کردیا اور یہ باور کرایا کہ دنیا میں جتنے افعال انجام پاتے ہیں وہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہاں تک درخت کا ایک پتہ بھی حکم الٰہی کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تکالیف وآلام کے ذریعے کسی کی آزمائش کرتا ہے تو اس طرح اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

" ما يصيب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا أذى ولا غم، حتى الشوكة يشاكها، الا كفر الله بها من خطاياه ۔" [بخاری، رقم: ٥٦٤١، ٥٦٤٢]

کسی مسلمان کو کوئی تکلیف، تھکاوٹ، غم، پریشانی، تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ کوئی کانٹا چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کی وجہ سے اس کے گناہ مٹادیتا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

" لو انفقت مثل أحد ذهبا فی سبيل الله ما قبله الله منك حتى تؤمن بالقدر وتعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك وأن ما أخطأك لم يكن ليصبك ولو مت على غيرهذا دخلت النار ۔ " [مسند احمد: ٥/١٨٢]

''اگرتم اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کروتو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ اور جان لو کہ جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تم سے خطا کرنے والی نہیں تھی اور جو تم سے خطا کرگئی وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی، اگر تم اس کے علاوہ پر مروگے تو جہنم میں داخل ہوجاؤگے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو اس بات پر کامل یقین ہونا چاہیے کہ اس کو جو بھی مصیبت لاحق ہوتی ہے وہ کسی زمانہ یا وقت کے منحوس ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ تقدیر میں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی جاچکی ہے۔

اسلامی تقویم کے لحاظ سے دوسرے اسلامی مہینے کا نام صفر ہے۔ دورِ جاہلیت سے یہ مہینہ مختلف خرافات اور غلط عقائد ونظریات کا شکار رہا ہے اور موجودہ دور میں بھی بعض لوگ اس کے متعلق غلط نظریات اور بدعات وخرافات میں مبتلا ہیں۔

تبدیلی صفر:

عرب کے لوگ مہینوں کو آگے پیچھے کیا کرتے تھے اور صفر کے مہینے کو محرم کے ساتھ تبدیل کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ کو زمین میں سب سے بڑا گناہ تصور کرتے تھے اور محرم کو صفر بنا لیتے اور کہا کرتے تھے:

اذا برء الدبر وعفا الاثر وانسلخ صفر وحلت العمرة لمن اعتمر ۔ [بخاری، مناقب الانصار، باب ایام الجاهلية، کتاب الخ، رقم: ١٥٦٤، مسلم: ١٢٤٠]

''جب اونٹوں کی زخمی پشتیں اچھی ہو جائیں اور (حاجیوں) کے قدموں کے نشانات مٹ جائیں اور صفر گزر جائے تو عمرہ کرنے والے کے لیے عمرہ حلال ہو جاتا ہے۔''

دورِ جاہلیت کی اسی روش کا تذکرہ اللہ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ط﴾ [التوبة: ٣٧]

''مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کی زیادتی ہے اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو حرمت رکھی ہے تعداد میں اس کی موافقت کر لیں پھر اسے حلال بنالیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے ماہِ صفر کے متعلق اس غلط عمل کا خاتمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السماوات والارض ۔ [بخاری، کتاب الاضاحی، باب من قال يوم الاضحى يوم النحر، رقم: ٥٥٥٠۔ مسلم، رقم: ١٦٧٩]

''یقیناً زمانہ گھوم پھر کر اسی ہیئت پر آ گیا جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ نے زمین وآسمان بنائے تھے۔''

ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا:

لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ شیطان (جو انسان کا ازلی دشمن ہے) کو موقع مل گیا کہ وہ پھر اولادِ آدم کو راہِ راست سے بھٹکا سکے۔ چناں چہ زمانہ جاہلیت کے وہ تمام رسومات وعقائد جن کو اسلام نے جڑ سے اکھاڑ دیا تھا اسے آہستہ آہستہ اسلامی معاشرے میں داخل کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں نے بھی کچھ حد تک ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنتیں مٹتی گئیں اور بدعتوں نے اس کی جگہ لے لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما أحدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة متمسك سنة خير من إحداث بدعة ۔ [احمد: ١٠٥/٤٠]

''جب کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کے مثل (برابر) سنت اٹھالی جاتی ہے، سنت کو پکڑے رہنا احداث بدعت سے بہتر ہے۔''

مزید برآں مسلمانوں کے قلوب واذہان میں ایسے فاسد وباطل عقائد وافکار داخل کر دیے جو یا تو بہ ذاتِ خود شرک ہیں یا ذرائع شرک ہیں۔ چناں چہ ماہِ صفر سے بدفالی لینا اس کو منحوس سمجھنا یا بعض لوگوں کا اندھے، بانجھ سے بدفالی لینا یا بعض مخلوقات جیسے کوا، بلی، الو، چوہا وغیرہ سے بدشگونی لینا اس کا ادنی نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" الطيرة شرك ۔" [ابوداؤد، رقم: ٣٠١٠۔ ترمذی: ١٦١٤]

''بدفالی وبدشگونی شرک ہے۔''

بدشگونی ونحوست کا مطلب ہے کسی چیز کا برکت سے خالی ہونا۔ بعض لوگ اس ماہِ صفر کو منحوس یعنی برکت سے خالی تصور کرتے ہیں جو سراسر جہالت ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ میں کئی مقامات پر اس جاہلی عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ آج بھی ہمارے معاشرے کے لوگ اس بدعقیدگی کا شکار ہیں۔

فرعون اور قومِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منحوس سمجھا۔ [الاعراف: ١٣١]

اسی طرح سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کا تذکرہ فرمایا جہاں پہلے دو رسول آئے پھر ان کی تائید کے لیے تیسرے رسول کو بھیجا۔ لیکن قوم نے تینوں رسولوں کو منحوس قرار دے دیا۔ [یٰسین: ١٣ تا ١٩]

قوم ثمود، صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ [النمل: ٤٧]

یہی عقیدہ عرب کے لوگوں میں تھا جیسا کہ معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

كنا نتطير قال ذالك شيء يجده احدكم في نفسه فلا يصدنكم ۔ [مسلم، رقم: ٥٣٧۔ الطب باب تحريم الكهانة]

''کہ ہم بدشگونی لیتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا (بدشگونی) محض تمہارے دل کا ایک خیال ہے پس یہ تمہیں کسی کام سے سے مت روکے۔''

ماہِ صفر کو منحوس سمجھنے کی وجوہات:

① ...... ماہِ صفر کے تعلق سے لوگوں میں دو فریق ہیں: ایک فریق اس کو منحوس و نامبارک سمجھتا ہے۔ چناں چہ وہ اس میں سفر نہیں کرتا ہے۔ کیوں کہ ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جو اس مہینہ میں سفر کرے یا تو وہ مرجائے گا یا نقصان اٹھائے گا اور وہ لوگ شادی بیاہ سے بھی باز رہتے ہیں کہ طلاق نہ ہوجائے۔ اس طرح تجارت وغیرہ کی شروعات نہیں کرتے کہ اس میں فائدہ نہیں ہوگا۔

② ...... کہ لوگ ماہِ صفر کو اس لیے منحوس سمجھتے ہیں کہ اس مہینے میں بلا و شرور فتن کا نزول ہوتا ہے اور ماہِ صفر کے متعلق بعض ایسی روایات ذکر کرتے ہیں: (۱) ماہِ صفر نزول آفات کا مہینہ ہے۔ (۲) سال میں دس لاکھ اسی ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں ان میں سے صرف ماہ صفر میں نو لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

③ ...... اور یہ تمام بلائیں آفات صفر کے مہینہ کے آخری بدھ کو نازل ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ دن پورے سال میں سب سے مشکل ترین دن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے گزر جانے کی خوش خبری سنائے تو میں اس کو جنت کی بشارت دوں گا۔ یہ بے اصل روایت ہے۔[كشف الخفاء: ٢/ ٢٣٦۔ حجة النبي ﷺ للالباني: ١/ ١٠٤]

مذکورہ روایات بے اصل، موضوع اور من گھڑت ہیں۔ ان روایات سے استدلال کرنا دین و دانش کے خلاف ہے۔

④ ...... ماہِ صفر کو منحوس سمجھنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ دورِ جاہلیت میں ماہِ محرم میں جنگ و قتال کو حرام سمجھا جاتا تھا اور یہ حرمت قتال ماہ صفر تک رہتی تھی۔ چناں چہ جب ماہِ صفر آجاتا تو جنگ و قتال شروع ہوجاتا۔ اس لیے وہ اس ماہ کو منحوس سمجھتے تھے۔

اس عقیدے کی تردید:

اسلام اس عقیدہ کی پرزور تردید کرتا ہے کہ کسی دن یا مہینہ یا ساعت یا کسی بھی چیز کے اندر نحوست سمجھی جائے۔

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال لا عدوى ولا طيرة ولا هامة، ولا صفر وزاد مسلم ولا نوء ولا غول ۔ [بخاری: ٥٧٥٧۔ مسلم: ٢٢٢٠]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: چھوت چھات، بدفالی، الو اور صفر کی نحوست کوئی چیز نہیں۔'' صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ نشر اور بھوت پریت کوئی چیز نہیں۔

اس روایت میں پانچ جاہلی باطل عقائد کا ردّ کیا گیا ہے۔

① ...... **لا عدوی**: عدوی یا تعدیہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کی بیماری کا دوسرے شخص کو لگ جانا، اس سے اوہام پرستی کو ختم کیا گیا ہے۔ دورِ جاہلیت میں لوگ سمجھتے تھے کہ مرض بذات خود متعدی ہوتا ہے۔ اللہ کی جانب سے نہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے:

لا عدوى ولا طيرة ولا هامة فقال أعرابى يا رسول الله ﷺ فَمَا بَالَ الْإِبِلِ تَكُوْنُ فِي الرَّمل كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيَجِيءُ الْبَعِيرُ وَالْأَجْرَبُ فَيُدْهُل فِيْهَا فَيُجَرِّبُهَا كُلَّهَا قَالَ فَمَنْ اَعْدَى الْأَوَّلَ ۔ [بخاری، كتاب الطب، رقم: ٥٧١٧۔مسلم، كتاب اسلام، باب لا عدى ولا طيرة ولا هامة ...... الخ، رقم: ٢٢٢٠]

''چھوت لگنا، بدشگونی لینا اور الو کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں۔ اس پر ایک اعرابی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ پھر میرے اونٹوں کو کیا ہوگیا کہ جب تک وہ ریگستان میں رہتے تو ہرنوں کی طرح (صاف اور چکنے) رہتے ہیں۔ پھر ان میں

ایک خارش والا آجاتا ہے تو ان میں جا کر انہیں خارش لگ جاتی ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی۔ البتہ اللہ کے رسول ﷺ نے وبائی جگہوں پر جانے سے منع فرمایا ہے۔احتیاط اور سد ذرائع کے طور پر۔''

②......و لا طیرۃ :طیرۃ کا معنی ہے کسی چیز کو منحوس سمجھنا یا کسی چیز سے بدشگونی اور بدفالی لینا۔بعض لوگ اندھا،لنگڑا یا بانجھ مرد عورت سے بدشگونی لینا یا بعض مخلوقات جیسے بدلی، چوہا وغیرہ کو منحوس سمجھنا۔عرب کے لوگ پرندوں، جانوروں اور تیروں کے ذریعے ان کے دائیں یا بائیں جانے پر اچھی بری فال وشگون لیا کرتے تھے۔ چناں چہ شریعت مطہرہ نے ایسے فاسد عقیدوں کو باطل ممنوع قرار دیا ہے۔ یقیناً ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا طیرہ کی جنس سے ہے۔جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

الطيرة شرك الطيرة شرك وما منا الا ولكن الله يذهبه بـالتوكل ـ [ترمذی:١٦١٤ـ مستدرك حاكم: ١٨،١٧/١]

''بدفالی شرک ہے بدفالی شرک ہے۔ ہم میں سے کوئی نہیں جس کے دل میں بدفالی والی بات آتی نہ ہو مگر توکل کی برکت سے اللہ تعالیٰ خاتمہ کردیتا ہے۔''

③......و لا ھامہ: ہامہ الو کو کہتے ہیں۔اہل عرب یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اگر وہ کسی جگہ بیٹھ کر بولنے لگے تو وہ اجاڑ ہوجاتی ہے۔آج بھی عوام کا یہی خیال ہے کہ وہ جس گھر پر بیٹھتا ہے اس گھر کے کسی فرد کی موت کی خبر دیتا ہے۔حالاں کہ یہ سب اللہ کی مشیت کے ساتھ ہوتا ہے۔

④......و لا صفر :لوگ ماہِ صفر کو بھی منحوس سمجھا کرتے تھے۔جس طرح دورِ جاہلیت میں لوگ ان عقائد ونظریات کا شکار تھے آج ہمارے بہت سے مسلمان بھی اس بدعقیدگی کا شکار ہیں اور گائے،کوے، مکان، بیوی اور کام کاج وغیرہ کو منحوس قرار دیتے ہیں۔افسوس بعض جاہل لوگ تو مذاق میں ایک دوسرے کو منحوس کہہ دیتے ہیں حالاں کہ شریعت اسلامیہ میں اس عقیدے کی بڑے شد ومد سے تردید کی گئی ہے۔جیسا کہ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

" لا طيـرة وإن تـكـن الـطيـرة فی شیء ففی الدار والفرس والمرأة ـ" [ابوداؤد، رقم:٣٩٢١]

''کوئی چیز منحوس نہیں اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو گھر، گھوڑے(سواری)اور عورت میں ہوتی۔''

⑤......ولا نوء: زمانہ جاہلیت میں یہ بھی اعتقاد تھا کہ فلاں پچھتر کی وجہ سے بارش ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے اس کی نفی کی ہے۔

⑥......ولا غول: لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بھوت پریت کی جماعت جنگلوں میں راستوں میں گھومتی رہتی ہے اور لوگوں کو بھٹکا کر ہلاک کر دیتی ہے۔اس کی بھی آپ ﷺ نفی کی ہے۔

بدشگونی کا علاج سنت نبوی ﷺ سے:

اگر دل میں بدفالی ونحوست کے وساوس بیدار ہوجائیں تو آدمی کو چاہیے کہ اللہ پر توکل کرے۔اس سے وساوس ختم ہوجائیں گے۔

توکل کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے مروی دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو یہ دعا پڑھے:

اللّٰهم لا ياتی باالحسنـات إلا انت، ولا يدقع السيئـات إلا أنت ولا حول ولا قوة الا بك ـ [ابوداؤد: ٣٩١٩]

''اے اللہ! تیرے سوا نہ کوئی بھلائیاں لاسکتا ہے اور نہ ہی برائیاں دور کرسکتا ہے اور تیری توفیق کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے اور نہ ہی نیکی کی قوت ہے۔''

اللهم لا خير الا خيرك ولا طير الا طيرك ولا الٰه غيرك ـ [احمد:٢٢٠/٢ـ السلسة الصحيحة، رقم: ١٠٦٥]

''اے اللہ! تیری بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں اور تیرے شگون کے علاوہ کوئی شگون نہیں تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

شادی نہ کرنا:

بعض جاہل لوگ محرم کی طرح صفر میں بھی شادی کو ناپسند کرتے ہیں یا تو صفر کو منحوس سمجھتے ہوئے یا پھر اس لیے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ماہِ صفر

میں فوت ہوئے۔ حالاں کہ کسی کی موت کے سبب اس دن یا سال شادی کو ناپسند جاننا یا اس سے کلی احتراز کرنا شریعت سازی ہے اور خود ساختہ جہالت ہے۔ شرعی اعتبار سے کوئی بھی ایسی دلیل موجود نہیں کہ فلاں ماہ میں شادی ممنوع ہے۔ لہٰذا ماہِ صفر کو منحوس یا غم کا مہینہ سمجھتے ہوئے شادی بیاہ کو ترک کر دینا بدعت کے زمرے میں آتا ہے جس کی دین اسلام میں کوئی حیثیت موجود نہیں۔

دوسرا فریق اس مہینہ کو مبارک سمجھتا ہے اور ان کے عقیدہ کے مطابق یعنی آخری چہار شنبہ عید کا دن ہے۔

آخری چہار شنبہ:

فارسی زبان میں چہار شنبہ بدھ کو کہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے آخری بدھ کو عید کا دن تصور کرتے ہیں۔ اس دن کے لیے عجیب وغریب افعال ایجاد کر رکھے ہیں اور ان کو اجر وثواب سمجھ کر بجالاتے ہیں۔ چناں چہ اس دن کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ صفر کے آخری بدھ کو بیماری سے شفایاب ہوئے اور غسل صحت فرمایا۔ آپ سے انتہائی محبت کا اظہار کرتے ہوئے بہت سے مسلمان باغوں، سیر گاہوں کا رخ کر کے چہل قدمی کرتے ہیں۔ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی بہ کثرت اس کام میں شریک ہوتی ہیں جو بے پردگی کی حالت میں زیب وزینت کی نمائش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بعض لوگ گاؤں محلات میں کھانا وشیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں، مٹی کے پرانے برتن توڑتے ہیں، عورتیں پرانی چوڑیاں توڑ کر نئی چوڑیاں پہنتی ہیں۔ نیز نئے لباس بنائے جاتے ہیں اور ان تمام افعال کو سنت نبویہ سمجھتے ہیں۔

حقیقت حال:

اگر واقعی اس دن نبی کریم ﷺ کو کسی بیماری سے شفا ملی تھی تو پھر بھی شریعت میں اس کا جواز کہاں ہے کہ اپنے نبی کی صحت یابی کے دن امتی سالانہ تقریب منعقد کیا کریں۔ اگر آپ ﷺ سے محبت کے اظہار کا یہ طریقہ جائز یا درست ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو ضرور اختیار کرتے۔ کیوں کہ جو محبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ سے تھی کسی دوسرے کو وہ ہو ہی نہیں سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من عمل عملاً ليس عليه امر نا فهو ردّ ۔ [بخاری، رقم: ۲۵۵۰]

''جو انسان ایسا عمل کرے جو محمد مصطفیٰ ﷺ سے ثابت نہ ہو وہ عمل (کام) مردود ہے۔''

اگر ہم سیرت وتاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ بات سراسر غلط ہے کہ آپ ﷺ ماہِ صفر کے آخری بدھ کو شفایاب ہوئے بلکہ وہ بیماری جس میں آپ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے اس کی ابتدا اسی آخری بدھ کو ہوئی۔

بَدَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَرُضُهُ الَّذِیْ مَاتَ مِنْهُ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ لِلَیْلَتَیْنِ بَقِیَتَا مِنْ صَفَرٍ سَنَةَ اِحْدٰی عَشَرَةَ فِیْ بَیْتِ مَیْمُوْنَةَ رضی الله عنها ۔ [اسد الغابة: ۱/ ٦١۔ تاريخ الكامل: ٢/ ٢١٥۔ البداية والنهاية: ٥/ ٢٢٤۔ سيرت ابن هشام: ٢٢٤/٥۔ تاريخ ابن خلدون: ٦١/٢۔ تاريخ طبرى: ١٦١/٢]

''رسول اللہ جس مرض سے فوت ہوئے اس کا آغاز ۱۱ ہجری ماہِ صفر کے مہینے میں بدھ کے روز میمونہ کے گھر میں ہوا جب کہ اس کی دو راتیں باقی تھیں۔''

فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کا ترجمۃ الباب "باب مرض النبی ﷺ ووفاته" کی شرح میں لکھا ہے کہ بیماری کا آغاز صفر کے آخر میں ہوا۔ [فتح الباری: ۱۲۹/۸]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۲۹ صفر ۱۱ھ یوم چہار شنبہ بیمار ہوئے اور بارہ ربیع الاوّل ۱۱ھ یوم دوشنبہ آپ ﷺ نے وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [طبقات ابن سعد اردو: ۳۷۷/۲]

مولانا احمد رضا خان کا فتویٰ:

چوں کہ بریلوی طبقہ بالخصوص ان افعال کا ارتکاب کرتا ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ چند فتاویٰ کو یہاں ذکر کیا جائے تا کہ عوام میں رائج اس بدعت کے بارے میں بریلوی علماء کا نقطہ نظر واضح ہو جائے کہ اس کی تردید میں ہم تنہا منفرد نہیں ہیں بلکہ بریلوی علماء بھی ہمارے شریک ہیں۔ جو لوگ چہار شنبہ کی بدعت کے مرتکب ہیں خود ان کے ممدوح امام احمد رضا

خان نے بھی اس کی تردید درج ذیل الفاظ میں فرمائی ہے:

''آخری چہار شنبہ (بدھ) کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور ﷺ کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔''

[احکام شریعت حصہ دوئم، ص:۱۹۳]

اور مروی ہے کہ ابتلائے سیدنا ایوب علیہ السلام اسی دن تھی۔ اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتنوں کو توڑ دینا گناہ اضاعت مال ہے۔ بہرحال یہ سب باتیں بالکل بے اصل و بے معنی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

[احکام شریعت حصہ دوئم، ص:۱۹۳]

بریلوی حضرات کو چاہیے کہ وہ اس فتویٰ کا احترام کرتے ہوئے قوم کو رسومات وبدعات کی دلدل سے نکالنے کی مکمل کوشش کرے۔ کیوں کہ مسلمانوں کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ صحابہ کرام کی راہ پر گامزن رہیں کیوں کہ ان سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والا کوئی نہیں۔

❀❀............❀............❀❀

معاشرتی مسائل

غیبت

ایک ایسا زہر جو سمندروں کے پانیوں کو کڑوا کردے

محمد عبدالرزاق ساجد (لیکچرر گورنمنٹ ملت ڈگری کالج فیصل آباد)

یہ مضمون دو حصوں پر مشتمل ہے:

① ...... عیب جوئی اور تنقید و تنقیص کے وہ پہلو جو شریعت اسلامیہ کی نظر میں حرام ہیں اور گناہ کبیرہ شمار ہوتے ہیں۔

② ...... وہ امور جو بہ ظاہر غیبت محسوس ہوتے ہیں اور غیبت کی تعریف بھی ان پر صادق آتی ہے، مگر وہ غیبت کی حرام قسم نہیں بلکہ انسانیت کے وسیع تر مفاد، مقاصد شریعت اور راجح مصلحت کے پیش نظر ان کے جواز کی گنجائش شریعت مطہرہ میں موجود ہے۔

عیب جوئی اور ہمارے نفسیاتی ومعاشرتی رویے:

انسانی فطرت کو تعریف بھلی لگتی ہے جب کہ عیب جوئی اور تنقید وتنقیص بری محسوس ہوتی ہے۔

ہماری روزمرہ گفتگو میں لوگوں کی تعریف وتحسین کا پہلو کم جب کہ عیب جوئی اور تقبیح کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔

کسی کی شخصیت، ذات وصفات، عادات وخصال اور اطوار واحوال پر کیچڑ اچھالنا، سیرت وصورت میں کیڑے نکالنا، اسے بے وقعت اور ذلیل کرنا ہماری زندگی کی نہ صرف روٹین بن چکی ہے بلکہ ہمارا دلچسپ مشغلہ بھی بن چکا ہے۔

اگر تنقید کو دیکھا جائے تو بھی بھلائی وخیر خواہی اور اصلاح کا فقدان نظر آتا ہے۔ وہ تعمیری کم اور تخریبی زیادہ نظر آتی ہے۔

تنقید اگر جلوت میں سب کے سامنے منہ پر مزاحیہ انداز میں کی جائے تو یہ ''تمسخر'' ٹھٹھہ اور مذاق کہلاتا ہے۔

یہی تنقید گر سر عام منہ پر جارحانہ انداز میں اعلانیہ کی جائے تو اسے ''تذلیل وتحقیر'' کا نام دیا جاتا ہے۔

اور اگر تنقید واعتراض خلوت وتنہائی میں میں بطریق احسن پیش کیا جائے اور عیوب ونقائص کی نشان دہی کر دی جائے تو یہ اندازِ نصیحت ''خیر خواہانہ اور تعمیری'' ہوگا، جو کہ روز بروز ہمارے معاشرے میں عنقا اور مفقود ہوتا جا رہا ہے، جب کہ مذاق واستہزاء اور دوسروں کی تذلیل وتحقیر اور رسوائی کا سلسلہ عروج پکڑتا جا رہا ہے۔ واللہ المستعان

وہ افراد جن کی عیب جوئی کی جاتی ہے:

ان کی دو اقسام ہیں:

① ...... پہلے وہ جو نقاد کے سامنے موجود ہوتے ہیں۔ ان کی عیب جوئی کے احوال کا تذکرہ اوپر کی سطور میں گزر چکا ہے۔

② ...... دوسرے وہ لوگ جو بوقت تنقید وتنقیص یا بوقت عیب جوئی نقاد کے پاس یا سامنے نہیں ہوتے۔

غائب افراد کی عیب جوئی کی اقسام اور ان کے احکام:

غائب افراد پر کی جانے والی تنقید کی دو اقسام ہیں:

① ...... کذب وافتراء اور بہتان: ایسے عیوب ونقائص کا تذکرہ جو مذکورہ شخص میں سرے سے موجود ہی نہ ہوں۔ تنقید سراسر خلافِ واقعہ ہو اور حقائق وواقعات کے بالکل منافی ہو تو اسے کذب وافتراء، جھوٹ، الزام تراشی اور بہتان بازی کہا جاتا ہے جو کہ شریعت اسلامیہ کی نظر میں سراسر حرام اور گناہ کبیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ قابل تعزیر اور قابل حد جرم ہے۔

۲ ...... غیبت: ایسے عیوب ونقائص کا تذکرہ جو فی الواقع اس فرد میں موجود ہوں خواہ عورت ہو یا مرد۔ اور اس شخص کی عدم موجودگی میں اسے ان عیوب کا تذکرہ برا محسوس ہو تو اسے غیبت کہتے ہیں۔

غیبت کی نبوی تعریف:

غیبت کی تعریف خود دربار رسالت مآب ﷺ سے صادر ہوئی ہے۔آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے استفسار فرمایا:

أتدرونَ ما الغيبة؟

''جانتے ہوغیبت کیا ہے؟''

قالوا: الله ورسوله أعلم ۔

''عرض کیا وحی بھیجنے والا ربّ جانے ، یا جس پر اتری ہے وہ محبوب ربانی ﷺ جانے۔''

قال، ذكر اخاك بمايكره ۔

''آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: اپنے مسلمان بھائی کا اس انداز میں تذکرہ کرنا جو اسے ناگوارگزرے۔''

قيل، أفرايت اِن كَان في اَخى ما أقولُ ؟

''خدمت اقدس میں عرض کی گئی۔محبوب میں اپنے بھائی کے بارے میں جو کچھ کہوں وہ اس میں فی الواقع موجود ہوتو پھر بھی یہ غیبت شمار ہوگی؟''

قال: ان كان فيه ما تقول فقد اغتبته ۔

''آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: اگر وہ امور جن کا تو نے تذکرہ کیا ہے فی الحقیقت اس میں موجود ہوں، یہی تو غیبت ہے جس کا تو نے ارتکاب کیا ہے۔''

وان لم يكن فيه ۔

''اور اگر تیرا تذکرہ خلافِ واقعہ ہواور وہ باتیں اس میں نہ پائی جاتی ہوں۔''

فقد بهتّه ۔ [مسلم، الصحيح، كتاب البر والصله، باب تحريم الغيبة، رقم: ٢٥٨٩]

''تو یہ سراسر بہتان ہے جو آپ نے اس کے سرتھوپ دیا ہے۔''

غیبت اور ہمارا معاشرتی طرزِعمل:

سردیوں میں جرسی، جیکٹ، چادر، کمبل، لحاف، رضائی یا ہیٹر اور انگیٹھی وہ مزانہیں کرتے جس قدر گرماہٹ ہمیں غیبت کے دہکتے کوئلوں اور سرخ انگاروں سے حاصل ہوتی ہے۔

گرمیوں میں دستی پنکھا، پیڈسٹل فین، سیلنگ فین، ائیرکولر، واٹر کولر، آئس کریم، برف، فریج اور اے سی وہ کولنگ نہیں کرپاتے جتنی ٹھنڈک ہمیں غیبت کے سوئمنگ پول میں غوطہ زنی سے حاصل ہوتی ہے۔

غیبت وہ محبوب ومرغوب ڈش ہے جو آپ کو دنیا کے تمام براعظموں، ملکوں، صوبوں، شہروں، دیہاتوں، قصبوں، محلوں، گلیوں میں ہروقت بآسانی دستیاب ہے۔

یہ وہ سویٹ ڈش ہے جو ہواؤں، فضاؤں، خشکی، تری، سمندروں، دریاؤں، گھروں، مسجدوں، مدرسوں، سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، دفتروں، دکانوں، ملوں، فیکٹریوں، درباروں، مزاروں ہر جگہ خوشی خوشی پیش کی جاتی ہے۔محفل دینی ہو، دنیوی ہو یا سماجی، دعوت عقیقہ ہو، دعوتِ نکاح یا دعوتِ ولیمہ، مرحلہ تغسیل وتکفین ہو یا جنازہ وتدفین، ستھر پھوڑی ہو یا موقعہ تعزیت، غیبت وہ مٹھائی ہے جسے ہر جگہ کھایا، کھلایا اور بانٹا جاتا ہے۔

یہ وہ سوغات ہے جو لاہور کے کھابوں، کراچی کے پان گٹکوں، پشاور کے نسوار بیڑوں، کوئٹہ وچمن کے پھلوں اور انگوروں، گوجراں والا کے چڑوں، خوشاب کے ڈھوڈوں، ملتان کے سوہن حلووں، میاں چنوں اور گوجرہ کی برفیوں، قصور کے فالودوں اور تاندلیاں والا کے من پسندوں سے کہیں زیادہ مقبول ومعروف مشہور ومرغوب اور پسندیدہ ہے۔

غیبت کے مقاصد:

ہمارے معاشرے میں غیبت دوطرح سے کی جاتی ہے:

① ......بلامقصد ② ......کسی غرض وغایت کے پیش نظر

بلامقصد غیبت:

غیبت کی یہ قسم بغیر کسی ٹارگٹ کے کی جاتی ہے جس کے پیچھے کوئی ہدف یا مقصد کارفرمانہیں ہوتا۔ بلکہ محض تلذذ، ذائقے اور شیرینی گفتگو کے لیے اس جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

بسا اوقات غیبت صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ آہستہ آہستہ انسان کی جبلت میں شامل ہوکر عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔اور جب تک کسی کو موضوع بحث نہ بنالیا جائے تب تک لطف ومزا اور سواد وچاشنی کا چسکا مکمل نہیں ہو پاتا، طبیعت بوجھل بوجھل محسوس ہوتی ہے، جسم کا نشہ پورا نہ ہونے کی وجہ سے ٹوٹنے لگتا ہے۔مگر سگارِ غیبت کے چندکش لگانے

سے طبیعت میں ہلکا پن آ جاتا ہے اور فرحت وتازگی محسوس ہونے لگتی ہے۔

کبھی غیبت لذت دھن، طلاقت لسانی اور شیرینی گفتگو کی خاطر کی جاتی ہے۔ اور کبھی یہ کام محض وقت گزاری اور محفل کو گرمانے کے لیے کیا جاتا ہے۔

بلا مقصد غیبت کا حکم:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾

کے تحت کراماً کاتبین اس بلا مقصد حرام شغل کو احاطہ تحریر میں لا کر ریکارڈ کو محفوظ کیے جا رہے ہیں جو کل روز قیامت بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا مگر قیامت کے روز ندامت کے آنسوؤں کی کوئی قدر وقیمت نہ ہوگی۔

دنیا میں یہ شخص بلا ضرورت و بلا مقصد اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کا مکروہ و ناپسندیدہ دھندہ کرنے میں مبتلا ہے جو کہ انتہائی فضیع وشنیع فعل ہے۔ ایسا فرد ﴿ ولا يغتب بعضكم بعضاً ﴾ کی نہی ربانی کی خلاف ورزی اور وحی آسمانی کی نافرمانی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

روز قیامت یہ شخص تب تک اپنے قدموں کو ہلا نہیں پائے گا جب تک عن عمره فيما افناه کے سوال کا جواب نہ دے لے کہ اپنی عمر کے لمحات کو اس قدر تباہ کن، بیہودہ، ناجائز اور حرام مشغلے میں لگا کر تباہ و برباد کیوں کرتا رہا۔

با مقصد غیبت:

غیبت کی دوسری قسم وہ ہے جو کسی ہدف، ٹارگٹ اور مقصد کے پیش کی جاتی ہے۔ یہ مقصد دو طرح کے ہو سکتے ہیں:

① ......مفید مقصد ② ......غیر مفید مقاصد

غیبت برائے اصلاح:

کچھ لوگ غیبت کرتے ہوئے یہ ذہن رکھتے ہیں کہ اصلاح کے پیش نظر کسی کی غیبت اور عیب جوئی کی جا سکتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ اصلاح کا کوئی طریقہ کار نہیں۔ اسلام اس طرح کی اصلاح کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ حتی الامکان اس کی مخالفت اور حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

غیر مفید مقاصد اور غیبت:

اغلب اوقات میں غیبت کے پیچھے ایسے مقاصد کارفرما ہوتے ہیں جو کسی بھی فرد یا معاشرے کے لیے قطعاً غیر مفید اور نقصان دہ ہوتے ہیں، مثلاً:

کبھی غیبت ذاتی رنجش اور باہمی عداوت و رقابت کے نتیجے میں معرض وجود میں آتی ہے۔

کبھی غیبت کا ارتکاب دوسرے کو بے وقعت اور ذلیل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

کبھی یہ جرم خاندانی، قبائلی یا لسانی بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔

کبھی غیبت کے پیچھے خاندانی جاہ ومراتب اور حسب ونسب میں تفاوت عامل کارفرما ہوتا ہے۔

کبھی یہ کام کسی کے عروج یا شہرت سے جل کر اسے لوگوں کی نظروں میں گرانے کے لیے کیا جاتا ہے۔

کبھی یہ حرکت خود غرضی وخود اعتنائی اور عجب پسندی کے نتیجے میں سرزد ہوتی ہے۔

کبھی غیبت کی بنیاد حسد وبغض اور کینہ ہوتا ہے۔

کبھی غیبت کا مقصد دوسرے کو تکلیف اور اذیت میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔

کبھی یہ برائی اس لیے اپنائی جاتی ہے کہ دوسرا شرمندہ وزچ ہو۔ اسے اس قدر تنگ کیا جائے کہ وہ نفسیاتی طور پر بالکل مفلوج ہو جائے۔

کبھی غیبت کا مقصد مد مقابل کی ذلت ورسوائی اور تشہیر ہوتا ہے۔

غیبت کے میدان:

حضور اکرم ﷺ نے غیبت کے میادین کے وسیع وعریض دریا کو جوامع الکلم کے کوزے میں ذكرك اخاك بما يكره کہہ کر بند کر دیا ہے۔

انسان کا یہ تذکرہ خواہ زبان ولسان اور الفاظ وکلام کی صراحت کے ساتھ ہو تب بھی حرام ہے۔

کسی کی عدم موجودگی میں اس کا ذکر اعضائے بدن کے کسی اشارے کے ساتھ ہو تب بھی حرام ہے۔

کسی کی عدم موجودگی میں اس کے تذکرے کا تعلق دینی امور کے حوالے سے ہو تب بھی غیبت شمار ہوگا۔

اس کا تعلق عقائد ونظریات سے ہو تو تب بھی غیبت کے زمرے میں آئے گا۔

اس غائبانہ تذکرہ کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہو تو تب بھی غیبت محرقہ کے باب سے ہوگا۔
اس کا تعلق انسان کے مال و دولت یا پراپرٹی سے ہو تو بھی غیبت شمار ہوگا۔
اس کا تعلق بیوی بچوں، اہل وعیال کے حوالے سے ہو تو بھی غیبت ہے۔
اس کا تعلق جانی، بدنی یا جسمانی احوال کے ساتھ ہو تو بھی غیبت ہے۔
اس کا تعلق انسانی شکل وصورت یا عقل وفکر سے ہو تو بھی غیبت ہے۔
اس کا تعلق وضع قطع، لباس وخوراک، عزت وآبرو، گھر بار، لین دین، رشتہ داری، تعلقات، گفتگو، اخلاقیات سے ہو۔ الغرض غیبت کا دائرہ کار پوری حیات انسانی اور اس کے اعمال واقوال تک پھیلا ہوا ہے۔

غیبت کی بدترین شکل......چغلی:

کسی انسان کی عدم موجودگی میں اس کی عیب جوئی کا مقصد اگر افساد بین الناس ہو۔
یا مذکورہ شخص کی عزت اور وقار کو کم کرنا مقصود ہو۔
یا جس کے سامنے جس کی غیبت کی جارہی ہے ان دونوں کے پیار ومحبت کا خاتمہ مقصود ہو۔
یا دونوں کے تعلقات کو بگاڑنا مطلوب ہو۔
یا دونوں میں بعد اور دوریوں کی خلیج حائل کرنا مقصود ہو۔
یا دونوں میں نفرت وعداوت، بغض وکینہ اور دشمنی پیدا کرنے کا ارادہ ہو۔
یا غیبت سے مقصود دونوں میں لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد پیدا کرنا ہو۔
یا دونوں کو ایک دوسرے سے جدا اور علیحدہ کر دینا مقصود ہو۔
یا غیبت کا مقصد دونوں میں پختہ پھوٹ ڈالنا ہو اور اس کی بدترین شکل شوہر اور بیوی میں پھوٹ ڈالتے ہوئے انہیں طلاق دلوانے کی ہے۔
یا ان دونوں کے تعلقات کو بگاڑنے اور خراب کرانے کے پیچھے مقصد یہ ہو کہ دونوں میں نفرت پیدا ہو اور وہ اسے کام، فرض، دفتر سے چھٹی کرا دے۔
یا پھر اس کے عہدہ ورتبہ کو چھیننے کے لیے ان دونوں کو لڑوا دے اور خود اس کی جگہ، مقام، عہدے، مرتبے، دفتر یا آفس پر قبضہ کرنا مقصود ہو۔
الغرض غیبت کی ہر وہ قسم جس کے پیچھے ہدف اور مقصد ہو، جس کے سامنے جس کسی کی غیبت کی جارہی ہو ان دونوں کے تعلقات میں کسی قسم کا فساد اور بگاڑ لانا مقصود ہو تو عیب جوئی اور غیبت کی یہ قسم ''نمیمہ'' اور ''چغل خوری'' کہلاتی ہے۔
چغل خوری بھی گناہ کبیرہ ہے۔
چغل خوری عذاب قبر کا باعث ہے۔[صحیح بخاری]
لا یدخل الجنة قتات ۔ [صحیح بخاری]
''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

غیبت کی شناعت اور قرآنِ مجید:

قرآنِ مجید نے غیبت جیسے فعل قبیح سے منع کر دیا ہے۔
﴿ولا یغتب بعضکم بعضاً﴾ [الحجرات:۱۲]
اسلام کی نظر میں یہ حرکت انتہائی بدترین درجے کی حامل ہے۔
قرآنِ مجید نے اس کی قباحت میں جو مثال پیش کی ہے وہ اس کے انتہائی مذموم وغیر پسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے گناہ کبیرہ ہونے پر دلالت کناں ہے۔
غیبت کی شناعت وقباحت کے لیے یہی کافی ہے کہ انسانی طبائع کسی عام اور زندہ انسان کا گوشت کھانے سے نفرت کرتی ہیں، گھن کھاتی ہیں، اور اسے مکروہ ناپسندیدہ جانتی ہیں۔
پھر اس سے بھی بری صورت یہ ہے کہ وہ مردہ انسان کا گوشت کھانے کو تیار ہو جائے۔
پھر اس سے بھی قبیح صورت یہ ہوگی کہ جس مردہ کا گوشت کھایا جائے وہ عزیز اور رشتے دار بھی ہو۔
اس سے بھی خبیث شکل یہ ہوگی کہ اس مردہ انسان کا گوشت کھایا جائے جو خونی رشتہ دار ہو۔
اور سب سے زیادہ انتہائی بدترین کمینگی، سفلہ پن اور درندگی کا مظاہرہ ہوگا کہ انسان ایک ایسے مردہ انسان کا گوشت کھا جائے جو اس کا سگا بھائی بھی ہو۔ بقول شاعر ؎

لغیب زماننا والعیب فینا
وما لزماننا عیبٌ سوانا
ولیس الذین یأکل لحم ذیب
ویاکلُ بعضُنا بعضاً عیاناً

''ہم الزام زمانے کو دیتے ہیں جب کہ عیوب ونقائص تو خود ہمارے اندر ہیں۔ اگر ہم سوچیں تو اس معاشرے پر دھبہ ہم ہی لوگ ہیں۔ کوئی بھیڑیا کبھی کسی دوسرے بھیڑیے کا گوشت نہیں کھاتا مگر ہم انسان ہیں کہ زندہ تو کیا مردہ انسانوں کو نوچتے اور انہیں کھانے سے ہچکچاتے ہیں اور نہ شرماتے ہیں۔''

ایحب احدکم کا اسلوبِ قرآنی جہاں استفہام انکاری اور استفہام تمثیلی ہے وہیں معاملے کی شدت شناعت کو بھی عیاں کر رہا ہے۔

احدکم فعل یحب کی اسناد لفظ احد کی طرف معاملے کی قباحت میں عموم وتعمیم پر دلالت کناں ہے۔

ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا دنیا کے انتہائی شرم ناک، شنیع وقبیح اور مکروہ وناپسندیدہ فعل اور حرکت کو ایحب کے لفظ محبت سے تعبیر کر کے قرآنِ مجید معاملے کی سنگینی کو مزید بڑھا رہا ہے۔

فکرھتموہ اگر مردہ بھائی کا گوشت کھانا گوارا نہیں جو اس دنیا میں موجود نہیں تو پھر جو بھائی پاس موجود نہیں اس کی عدم موجودگی میں اس کی غیبت سے اتنا پیار کس لیے۔ اگر مردہ بھائی کا گوشت کھانا ممکن نہیں تو غیبت کا امکان کیسے ہے۔ اگر وہ نہیں کر پاتے تو اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرو۔

غیبت کی شناعت اور احادیث نبویہ:

غیبت کی مذمت میں اگرچہ بے شمار احادیث موجود ہیں مگر اس کی شناعت میں اتنا ہی کافی ہے کہ

غیبت ایک ایسا زہر ہے جو میٹھے سمندروں کو کڑوا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی دوسری اہلیہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق پستہ قامت ہونے کا ذکر کیا تو آپ نے یہ جملہ کہا کہ

لقد قلت کلمةً لو مزجت بماء البحر لأملحته۔

''کہ یہ ایسا زہریلا بول ہے اسے اگر سمندر میں ڈال دیا جائے تو وہ بھی کڑوا ہو جائے۔'' [ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی الغیبة، حدیث: ٤٨٧٥]

مرض غیبت کا علاج:

غیبت ایسی خطرناک، موذی اور متعدی بیماری ہے جو رفتہ رفتہ پورے انسانی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے جو اس کی دنیوی زندگی کو ہلاکتوں اور بربادیوں کی گہری کھائیوں میں دھکیل دیتی ہے اور اس کی اخروی زندگی کو جہنم کی خطرناک ''ویل'' نامی وادی کی نظر کر دیتی ہے۔ اس صورت حال کو ﴿ ویل لکل ھمزة لمزة ﴾ کی آیت میں کتنے ہی خوب صورت پیرائے میں بیان کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سے بچاؤ کی درج ذیل حفاظتی تدابیر کو شریعت اسلامیہ نے تجویز کیا ہے۔

غیبت سے شدت نفرت اور کراہت: اور یہ بات فکرھتموہ کے انداز میں کہہ دی گئی ہے۔

تقویٰ کا حصار: جیسا کہ آیت کے آخر میں واتقوا الله کا امر لایا گیا ہے۔ کہ غیبت سے بچاؤ کے لیے تقویٰ کا زادِ راہ لینا ضروری ہے۔ اگر دل میں ربّ کا خوف نہ ہوا تو غیبت سے بچاؤ ناممکن ہو جائے گا۔

تقاضائے ایمان: حدیث نبوی ہے تم میں سے تب تک کوئی ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یقیناً اگر مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کوئی میری غیبت کرے تو میں دوسرے کی غیبت کیوں کروں۔

رجوع اور توبہ: اسی آیت کے آخر میں اس گھناؤنے فعل سے توبہ کا اشارہ موجود ہے کہ ﴿ ان الله تواب رحیم [الحجرات:١٢] ﴾ اور غیبت سے توبہ یہ ہے کہ اسے مکمل طور پر فی الفور چھوڑ دیا جائے۔ آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ کیا جائے۔ جو گزر چکا اس پر ندامت وشرمندگی کا احساس رہے۔ جس کے بارے غیبت کرتا رہا ہے اسے اگر معلوم ہو گیا ہے تو اس سے معذرت کی جائے اور آئندہ مجالس میں اس کی عزت کا دفاع کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

فہم توحید

تالیف: الشیخ عبداللہ بن احمد الحویل ﷾
ترجمہ وتخریج: ابوعمر وحافظ طاہر اسلام عسکری
صفحات: ۱۷۶
قیمت: درج نہیں
ناشر: دارالامۃ للنشر والتوزیع
تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

فہم توحید ایک عربی کتاب ''التوحید المنیر'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب اثباتِ توحید وسنت اور ابطال شرک وبدعت کے موضوع پر ایک نہایت منفرد کاوش ہے۔

یہ کتاب انتہائی جامع اور عقیدہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ توحید وشرک کے مباحث میں شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جو نظر انداز ہو ہو۔ اس میں بیان کردہ ہر مسئلہ مدلل ومبرہن ہے۔ اس کی ایک خوبی اختصار ہے جو ہر قسم کے حشو وزائد سے پاک ہے مثلاً محبت کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے فاضل مصنف لکھتے ہیں۔ محبت چار قسم میں منقسم ہے:

① ......عبادت: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے اور خدا کے پسندیدہ اور محبوب چیزیں سے سے محبت کی جائے۔ اس کی دلیل اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرہ: ۱۶۵]

اور اے ایمان والے اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔

② ......شرک: اس کے معنی یہ ہیں غیر اللہ سے ایسی عاجزی اور تعظیم کے ساتھ محبت کی جائے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شان کے لائق ہے۔ دلیل:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے۔

③ ......معصیت: اس سے معاصی، بدعات اور محرمات کی محبت مراد ہے۔ دلیل:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ لا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ط وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النور: ۱۹]

جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے۔

④ ......طبعی محبت: جیسے اولاد، خاندان اور زندگی وغیرہ سے محبت اور یہ جائز ہے دلیل:

﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِیْنَ وَ الْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ [آل عمران: ۱۴]

آپ نے انداز لگالیا ہوگا کہ اس سے زیادہ اختصار ممکن نہیں گویا کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس کے مستحق ہے کہ اس کا خود مطالعہ کیا جائے اور دوسروں کو اس کے مطالعہ کی دعوت دی جائے اور اس کو مدارس کے نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے۔

داڑھی کی اہمیت......قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

مصنف: ڈاکٹر گوہر مشتاق
صفحات: ۸۴
قیمت: ۵۰ روپے
طابع وناشر: اذان سحر پبلی کیشنز۔ منصورہ ملتان روڈ۔ لاہور
تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

ڈاکٹر گوہر مشتاق دینی ودنیاوی علوم کے ''مجمع البحرین'' ہیں اس لیے

ان کی تحریر جدید اور قدیم لٹریچر کا حسین امتزاج ہوتی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی تصنیف ہے۔ ان کی یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں داڑھی کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں داڑھی کے متعلق سائنسی تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔ تیسرے باب میں مسلمانوں میں داڑھی نہ رکھنے کے رجحان کی وجوہات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جن میں شیونگ کا سامان بنانے والی کمپنیوں کی اپنی مصنوعات کی زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لیے اربوں روپے کے مصرف سے ٹی وی پر اشتہارات چلانے کی مہم کا بڑا عمل دخل ہے اور یہی ان کا طریقہ واردات ہے۔

چوتھے باب میں داڑھی کیوں رکھنی چاہیے؟ کے سوال کا جواب مختلف مذاہب کی روشنی میں دیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں داڑھی سے متعلق تاریخی حقائق اور دلچسپ واقعات لکھے گئے ہیں۔ چھٹے اور آخری باب میں ان لوگوں کے بیانات دیئے گئے ہیں جنہوں نے اس کتاب سے متاثر ہو کر اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کر لی۔

اس کتاب میں درج داڑھی کے متعلق تاثرات سے صرف دو مثالیں پیش کر رہے ہیں جس سے داڑھی کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔

مصنف نے مولانا حمید الدین فراہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

''جس طرح ایک چٹکی بھر خاک کو ہوا میں اڑانے سے ہم کو تیز آندھی کی سمت معلوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے چہرے پر داڑھی کی موجودگی یا غیر موجودگی ہمیں اس بات کی اطلاع فراہم کرتی ہے کہ اس شخص کا اسلام کی جانب کتنی رغبت اور رجحان ہے۔''

ایک امریکن نومسلم ڈاکٹر شاہد اطہر اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''بیس سال قبل جب وہ امریکہ آئے تو انہیں یہ مشاہدہ کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ بہت سے غیر مسلم حتی کہ بڑے ذہین وفطین کالجوں کے پروفیسروں نے بھی داڑھیاں رکھی ہوئی تھیں۔ چناں چہ انہوں نے بھی دیکھا دیکھی داڑھی رکھ لی لیکن بعد میں شیو کرا دی۔ اس کے بعد انہیں ایک پرانا مریض ملا اور دیکھتے ہی کہنے لگا کہ ڈاکٹر! داڑھی کے بغیر تم برہنہ (Naked) دکھائی دیتے ہو۔'' اس کے بعد ان کا اپنا تاثر بھی یہی تھا اور پھر انہوں نے داڑھی رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگر آپ داڑھی کی اہمیت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

ایک آنکھ والا دجال

مصنف: ڈاکٹر گوہر مشتاق
ضخامت: ۱۲۰ صفحات
قیمت: ۷۵ روپے
تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

زیر تبصرہ کتاب ڈاکٹر گوہر مشتاق صاحب کی تالیف ہے جسے ادارہ بتول فیروز پور روڈ نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب کسی ایک موضوع پر نہیں بلکہ ان مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جو ماہنامہ بتول میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مضامین میں الگ الگ ہونے کے باوجود ایک مقصدی ربط پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ایک آنکھ والے دجال اور اس کے ایجنٹوں کے مکروہ چہروں کو بے نقاب کرنا ہے۔ بقول ڈاکٹر صاحب ان کے برپا کردہ نظام میں صرف جسم کو آرام دینے کا سامان نظر آتا ہے روح کی تسکین کا سامان کسی بازار میں نہیں ملتا۔

ڈاکٹر صاحب مغربی نظام کو دجالی نظام اور مغربی تہذیب کو دجالی تہذیب کہتے ہیں اور اس کے پیروکاروں اور ان کی ایجادات کو ''ایک آنکھ والا دجال'' کہتے ہیں اور اس کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں:

''جس طرح ایک بادشاہ کی خبر اس کے ہرکارے اور ایجنٹ دیتے ہیں اسی طرح دنیا میں عنقریب ایک کانے دجال کی آمد کا غلغلہ آج اس کے ایجنٹ

برپا کررہے ہیں۔ان ایجنٹوں میں ایک قدر مشترک ہے کہ وہ بھی دجال کی طرح ایک آنکھ رکھتے ہیں۔ان میں سرفہرست ٹی وی، سینما، کیبل، ویڈیو گیمز، ریڈیو، کیمرہ، کمپیوٹر (انٹرنیٹ) سیل فون اور فون شامل ہیں۔

اس طرح امریکہ کی سب سے بڑی فلم کمپنی ٹائمز وارنر (Times Warner) کا علامتی نشان (Logo) ایک آنکھ ہے۔امریکہ کے مشہور ٹی وی اسٹیشن C.B.S کا علامتی نشان ایک آنکھ ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم امریکہ کے ایک ڈالر کے نوٹ کی پچھلی طرف دیکھیں تو ہمیں ایک اہرام کی تصویر نظر آئے گی جس کے اوپر ایک آنکھ بنی ہوئی ہے۔اس اہرام کے نیچے لکھا ہوا ہے: Novus Ordo Seclorum۔

اس لاطینی جملے کا مطلب ہے:

''دنیا کے لیے نیا نظام''۔ایک آنکھ کو دیکھ کر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس سے مراد ''دنیا کے لیے نیا دجالی نظام ہے۔''

ڈاکٹر صاحب اس دجالی نظام کے خلاف مصروف جہاد ہیں۔اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب کا انتساب ان پرعزم مومن مردوں اور مومن عورتوں کے نام کیا ہے جو اس پرفتن دور میں بھی دجالی قوتوں کے خلاف جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں۔اور نصرت خداوندی سے انہیں شکست دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

یہ کتاب انہی حوصلہ مند جوانوں اور خواتین کے لیے ایک تحفہ ہے۔خود پڑھیے اوروں کو پڑھائیے اور اس جہاد میں شامل ہوجائیے۔

❀❀............❀............❀❀

ضرورتِ رشتہ

لڑکی عمر ۳۵ سال، تعلیم ایم اے، گورنمنٹ سرونٹ، بیوہ (بغیر بچے کے) قبول صورت وسیرت کے لیے برسرروزگار، صالح ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔بچے والے یا دوسری بیوی موجود والے رابطہ نہ کریں۔

[(مولانا) ابوبکر صدیق السّلفی جامع مسجد نجم اہل حدیث احاطہ تھانیدار لاہور]

ضرورتِ رشتہ

لڑکا، عمر تقریباً ۲۲ سال، فاضل درس نظامی (جامعہ سلفیہ فیصل آباد) تعلیم ایف اے، شیخ فیملی کے لیے شریف گھرانے سے لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ضلع قصور، اوکاڑا، لاہور کے گردونواح سے رابطہ کریں۔

[فون: 0345-7504296 / 0347-7511811]

طلباء جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا اعزاز

جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے طلباء نے محکمہ اوقاف فیصل آباد ڈویژن کے تحت منعقد ہونے والے مقابلہ حفظ القرآن اور مقابلہ حسن قرأت میں درج ذیل پوزیشن حاصل کی ہے۔

مقابلہ حفظ القرآن: ① سپارہ اوّل تا ۳۰، ارسلان عبدالشکور (اوّل)، ② سپارہ اوّل تا ۱۰، ضیاء الرحمٰن یزدانی (اوّل)، ③ سپارہ اوّل تا ۵، عمر انوار (اوّل)

مقابلہ حسن قرأت: ۱۶ برس سے کم طلباء کے مقابلوں میں قاری خبیب الرحمٰن اوّل، قاری منظور احمد نے دوم پوزیشن حاصل کی۔

تقریری مقابلہ: بہ عنوان ''کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟'' میں ۵۰ طلباء نے مختلف مدارس کی طرف سے شرکت کی۔جامعہ سلفیہ کے بلال عبداللہ نے اوّل، عظیم اختر نے دوسری اور ارسلان عبدالشکور نے تیسری پوزیشن لے کر جامعہ سلفیہ وجماعت اہل حدیث کا نام بلند کیا۔ ادارہ جامعہ سلفیہ طلباء کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور طلباء کی مزید کامیابیوں کے لیے دعا گو ہے۔ [شعبہ نشرواشاعت، جامعہ سلفیہ فیصل آباد]

صفحہ نمبر۲ کا باقی حصہ:

اسی اثنا میں حافظ صاحب کو فاضل عربی کی بنیاد پر گنڈا سنگھ والا ضلع قصور کے ایک سکول میں سرکاری ملازمت مل گئی اور حافظ صاحب وہاں تشریف لے گئے۔ لیکن مولانا غزنوی رحمہ اللہ نے ان کو وہاں سے بلا کر دارالعلوم کی مسند تدریس پر حکماً دوبارہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد پھر حافظ صاحب رحمہ اللہ نے نصف صدی دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں ہی گزار دی۔ سالہا سال حافظ صاحب رحمہ اللہ نے دارالعلوم ہی میں تراویح میں قرآن بھی سنایا۔ یوں انہوں نے اپنے مرشد، استاذ اور مربی مخدومنا مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ کے ارشاد پر دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں عمر بتا⑯دی۔ رحمه الله رحمة واسعة ۔ [ماخوذ از: نگارشات مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ]

....

راقم الحروف نے حافظ صاحب رحمہ اللہ سے مشکٰوۃ نصف اوّل، القراءۃ الرشید، نحو میر، ہدایۃ النحو، کافیہ، مرقات (منطق) اور سبعہ معلقہ...... کا کچھ حصہ...... تلخیص المفتاح کی تعلیم حاصل کی۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ بہت باکمال مدرس تھے، سبق آسان مثالوں کے ساتھ یوں ذہن نشین کرواتے کہ وہ ذہن پر نقش ہو جاتا۔ کتب حدیث میں انہوں نے بلوغ المرام سے لے کر صحیح بخاری شریف کا سالہا سال درس دیا۔ معقولات میں بھی انہیں خوب استحضار تھا۔ انداز تدریس ان جیسا بہت مدرسین کا دیکھا۔ حضرت مولانا غزنوی رحمہ اللہ کے بعد فتویٰ نویسی بھی کرتے رہے اور عدالت میں ان کے فتاویٰ کو ایک مقام اور احترام حاصل تھا۔ اسی طرح محکمہ اوقاف کی بعض کمیٹیوں امن کمیٹی، رؤیت ہلال کمیٹی (درس نظامی کی) نصاب کمیٹی وغیرہ کے اس وقت تک رکن رہے جب تک ان کی صحت نے اجازت دی۔ ایسے ہی حافظ صاحب رحمہ اللہ کو نبی ﷺ سے غایت درجہ بلکہ عشق کی حد تک محبت تھی۔ مدینہ منورہ کا خاص تحفہ کھجور اگر کوئی شاگرد یا نیاز مند لاتا تو آبدیدہ ہو جاتے اور نہایت عقیدت بھرے جذبات کے ساتھ اس سے لطف اندوز ہوتے۔

....

نصف صدی کے عرصہ میں ان سے سینکڑوں طلباء نے فیض پایا جن کی صحیح تعداد کا شاید انہیں بھی اندازہ نہ تھا۔ لیکن انہوں نے کسی شاگرد سے کبھی کوئی لالچ نہیں رکھا اور نہ کبھی کوئی مفاد اٹھایا۔ ہاں جن شاگردوں نے نیاز مندی باقی رکھی اور حاضر ہوتے رہے ان کو دعاؤں سے ضرور نوازتے۔ حافظ صاحب اپنے اساتذہ کا بلکہ استادزادوں کا بھی غایت درجہ احترام کرتے۔ ہمارے دیکھنے میں حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی حفظہ اللہ بن مولانا عطاء اللہ لکھوی رحمہ اللہ جب تشریف لاتے تو ان کے لیے سراپا خدمت ہو جاتے۔ ایسے ہی اپنے رشتہ داروں خصوصاً بھائیوں کی سرپرستی فرماتے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے اور ان کی ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ اپنے چھوٹے بھائی جو اس وقت ماشاءاللہ پروفیسر ڈاکٹر P.H.D ہیں کو وہ گاؤں سے لاہور لائے انہوں نے حافظ صاحب ہی کے زیر سایہ تمام تعلیمی و ترقی کے مدارج طے کیے۔ اب رہائش بھی ان کے قریب ہی تھی اور یہ دونوں بھائی بلا مبالغہ صحیح معنوں میں یک جان دو جسم تھے۔ حافظ صاحب کی صلبی اولاد میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں اور معنوی اولاد یعنی شاگرد تو بلا مبالغہ سینکڑوں میں ہوں گے۔

راقم الحروف ان سے نیاز مندی کا حق تو ادا نہ کر سکا لیکن گاہے گاہے سلام عرض کرنے اور نیاز حاصل کرنے کے لیے جب جاتا نہایت شفقت فرماتے، دعاؤں سے نوازتے۔

بارِالٰہی اپنے اس بندے کی بشری لغزشوں سے درگزر فرما۔ اپنے نبی کی محبت اور اس کی حدیث کی خدمت قبول کر، اپنی رحمتوں سے نواز دے۔ آپ کی شفاعت نصیب فرما اور جنت میں حدیث کے خدمت گزاروں کے ساتھ جمع فرما۔